تبلیغِ اسلام

اور

مسلمانوں کی ذمّہ داریاں

تقریر

چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ



برموقعہ

جلسہ سالانہ جماعتِ احمدیہ ۱۹۶۱ء

رہے ہیں۔ اور مادی فلسفہ اور دہریت سے غیر مطمئن اور بے جان مذاہب سے مایوس افراد جماعت کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں اسلام کی آغوش میں آتے جا رہے ہیں۔ اور پہلی دفعہ یورپ کا مادی انسان اسلام کے حسین چہرے کو دیکھ کر اس کے حسن کا شیدا ہو رہا ہے۔ الوہیت مسیح تثلیث اور کفارہ کے عقاید آہستہ آہستہ اپنی عقیدت کھو رہے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں صدیوں سے جو کام ملت کے سلاطین اور ان کی سلطنتیں نہیں کر سکیں۔ آج یہ مٹھی بھر جماعت کر کے دکھا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ تفصیل کے لئے ہم سے لٹریچر منگوا سکتے ہیں۔

مہتمم نشر و اشاعت ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود

تبلیغِ اسلام

اور

مسلمانوں کی ذمہ داریاں

تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ باتیں جن کو ہم اچھا سمجھتے ہیں دوسروں تک پہنچانا اور انہیں ان پر چلانے کی کوشش کرنا اور وہ باتیں جنہیں ہم برا سمجھتے ہیں، ان کی برائی کو لوگوں پر واضح کرنا اور انہیں ان سے بچانے کی کوشش کرنا۔

دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ان کا اوّلین فرض یہی تھا کہ وہ اللہ کے عطا کردہ پیغام کو دنیا تک پہنچائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف میں فرماتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ (سورۃ احزاب رکوع ۵)

"جو اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ہی ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مخاطب کر کے فرمایا:۔

یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ ؕ

(سورۃ مائدۃ رکوع ۱۰)

"اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کلام تجھ پر اتارا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اس کے دئیے ہوئے پیغام کو نہ پہنچایا۔ اور اس طرح حق رسالت ادا نہ کیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایک رنگ میں اسلام کی تبلیغ کی تاریخ ہے۔ حضور کو وحی کی ابتداء میں ہی تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ پہلی وحی "اِقْرَاْ" سے شروع ہوتی ہے یعنی لوگوں کو پڑھ کر سنا۔ اور

دوسری وحی میں جب حضور کو "قُمْ فَاَنْذِرْ" سے خطاب فرمایا گیا یعنی اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو بیدار کر۔ تو حضور نے پورے استقلال کے ساتھ تبلیغ شروع فرما دی۔ یہی تبلیغ حضور کی زندگی تھی۔ یہی حضور کا اصل مقام تھا یعنی اپنے قول و عمل کے ذریعہ روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کرنا۔ خدا کا پیغام جو حضور کو ملا اسے لوگوں تک پہنچانا اور مخلوقِ الٰہی کو اس آسمانی پانی سے ہر قسم کی ظاہری و باطنی آلائش سے پاک کرنا۔ جاں بلب بیماروں کو قرآنی تریاق سے تمام روحانی بیماریوں سے شفاء دلانا۔ خدائی نور و حکمت سے ظلمت کدۂ عالم کی تمام ظلمتوں کو دور کرنا۔ رنگا رنگ خداؤں کے چنگل سے چھڑا کر خدائے واحد کا پرستار بنانا۔ حبّ جاہ اور حرص دنیا کی آگ سرد کر کے محبوب ازلی کی محبّت کی حرارت رگ و ریشہ میں پیدا کرنا۔ قوموں اور قبیلوں میں بٹی ہوئی انسانیّت میں وحدت قائم کرنا۔ گویا مذہبی، علمی اور اخلاقی لحاظ سے سراسر ویران دنیا کو پھر سے آباد کرنا۔

دنیا کی ہر قوم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر آئے اور انہوں نے اپنی خداداد طاقتوں سے کام لے کر پوری قوّت سے اپنی اپنی امّت کی ہدایت کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور ہر تکلیف کو جو انہیں اس راہ میں آئی راحت سمجھا۔ لوگوں نے ان سے ہنسی کی۔ تمسخر کیا۔ اذیتیں دیں۔ گھروں سے نکالا۔ لیکن ان کے پائے

استقلال میں کہیں بھی لغزش نہ آئی۔ وہ اللہ کے دین کی اشاعت اور لوگوں تک پیغامِ حق پہنچانے کا فرض ادا کرنے میں دمِ واپسیں تک مصروف رہے۔ کسی کی تنقیص نہیں لیکن بیانِ حقیقت ہے کہ یہ پیشرو عالمی مشن نہ رکھتے تھے بلکہ اپنی اپنی قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم نبی تھے لیکن اُنہیں صرف بنی اسرائیل کی نجات سے سروکار تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے محبت کا پیغام پیش کیا۔ لیکن ان کے مخاطب بھی بنی اسرائیل ہی تھے۔ کنعانی، یونانی یا سامری نہ تھے۔ اسی طرح زرتشت کا پیغام پارسیوں کے لئے تھا۔ اور اس برِّ صغیر کے ہندومت کے علمبرداروں نے تو اس ملک میں بسنے والی دوسری اقوام کے لئے یہ بھی روا نہ رکھا کہ خدا کا کلام ان کے کانوں میں پڑ سکے۔ بخلاف اسکے حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم عرب و عجم۔ اسود و احمر۔ برہمن و شودر سب کے مُنجّی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (سورہ اعراف رکوع ۲۰)

اے رسول! تو کہہ کہ لوگو! مَیں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور نیز فرمایا:۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً
لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔
(سورۂ سبا رکوع ۳)

یعنی ہم نے تجھے تمام بنی نوع انسان
کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔

اس دعویٰ میں رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم منفرد ہیں۔ ایسا کوئی دعویٰ نہ تورات میں ہے، نہ انجیل میں، نہ ویدوں میں، نہ ژندواوستا میں۔ سب قوموں اور سب زمانوں کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے۔ اور گو اس وقت دنیا میں اسلام کے علاوہ عیسائیت اور بدھ مت بھی تبلیغی مذہب ہیں۔ لیکن خدا کی طرف سے عالمی تبلیغ کی ذمّہ داری حقیقتاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی امّت پر ہی عائد کی گئی۔

دوسری فصل

تبلیغ کے بارہ میں قرآنی احکام و احادیث

۱۔ تبلیغ ہر مسلمان کا امتیاز خصوصی ہے

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے نبی کو دعوت اِلَی الخَیر کا حکم دیا، وہاں تمام مسلمانوں کا بھی یہی فرض قرار دیا۔

فرمایا:-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ
عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ
(سورۂ یوسف رکوع ۱۲)

ان لوگوں کو کہہ کہ یہی میرا رستہ ہے۔
اور میرے پیرو پوری بصیرت پر ہو کر اللہ کی طرف
دعوت دیتے ہیں۔

اور پھر اس امت کی فضیلت کا باعث قرآن کریم نے تبلیغ کو ہی قرار دیا ہے۔ فرمایا:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(سورۃ آل عمران رکوع ۱۲)

تم سب سے بہتر جماعت ہو، جسے لوگوں کے فائدہ کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔

پس ہر مسلمان کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ اپنے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مشن پر یقین کامل رکھتے ہوئے اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کو اس صراطِ مستقیم کی دعوت دے۔ وہ اپنی ذات کے لئے نہ جئے بلکہ خدا کی مخلوق کی بہبود اس کا مقصدِ حیات ہو۔ اور مخلوق کی حقیقی بہبود اسی میں ہے کہ وہ نیکی اور بدی کی راہ کو پہچانے۔ عرب میں سُرخ اونٹ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایتیں دیتے ہوئے فرمایا:۔

"وَ اللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ"

(بخاری کتاب الجہاد)

کہ بخدا یہ کہ تیرے ذریعہ اللہ کسی ایک شخص کو

ہدایت دے اس سے بہتر ہے کہ تجھے سرخ اونٹوں کا ریوڑ حاصل ہو۔"

۳۔ مبلغین کی ایک باقاعدہ جماعت کی ضرورت

جبکہ تبلیغ ہر مسلمان کا عمومی فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کی عظمت و اہمیت متقاضی ہے کہ واقفین کی ایک باقاعدہ جماعت ہو جو اپنا سارا وقت اور پوری طاقت اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں صرف کرے۔ ایسی جماعت کے وجود اور اس کے کارہائے نمایاں کو مسلمانوں کی دینی و دنیاوی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ آل عمران رکوع ۱۱)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے
جس کا کام یہ ہو کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور
نیک باتوں کی تعلیم دے اور بدی سے روکے۔
اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جماعت کے مبلغین کی تعداد بہرحال محدود ہوگی اور

تبلیغ کا یہ اہم اور وسیع کام صرف ان کے ذریعہ تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور تجویز امت کی راہبری کیلئے ارشاد فرمائی:۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

(سورۂ توبہ رکوع ۱۵)

یعنی مومنوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ سب کے سب تعلیم دین کے لئے نکل پڑیں۔ پس کیوں نہ ہوا کہ اُن کے ہر طبقہ و جماعت میں سے ایک گروہ اِس کام کے لئے نکل پڑتا، تا وہ دین پوری طرح سیکھتے اور سمجھتے اور پھر اپنی قوم کی طرف لوٹ کر انہیں بیدار کرتے، تا وہ گمراہی سے بچ جاتے۔

اسلام کے عالمی مرکز بلکہ اس کے کسی ملکی مرکز کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ہر شہر یا ہر قریہ اور معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر جماعت میں مستقل طور پر تربیت یافتہ مبلغ مقرر کرے۔ اس لئے اسلام نے اِس دقت کا یہ حل پیش کیا کہ مختلف گروہوں اور طبقات کے نمائندے مرکز میں

آکر تعلیم حاصل کریں اور پھر واپس جاکر اپنی قوم میں کام کریں اور انہیں تعلیم و تربیت دے کر اس کام کے لئے تیار کریں۔ پھر وہ ان لوگوں کو جو ابھی تک دائرۂ اسلام سے باہر ہیں اسلام کی آغوش میں لانے کی سعی کریں۔

۳۔ تبلیغ کا مؤثر حربہ قرآنِ کریم

تبلیغِ اسلام کی ایک بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے شارع علیہ السلام اور آپ کی اُمّت پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ کلامُ اللہ کو ہی لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ دوسرے مذہبوں کی طرح اسلام خود ساختہ فلسفہ کا محتاج نہیں۔ مسیحیّت کو ہی دیکھئے گذشتہ بیس صدیوں کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ مسیحی کانفرنس پر کانفرنس بلاتے رہے تا ان کے مقدّس صحائف کی تعیین کی جائے اور یہ طے کیا جائے کہ امّت کے کیا عقائد ہوں اور امّت کی نماز کیسی ہو۔ چنانچہ انگریزی کلیسا کے سربراہوں آرچ بشپ آف کنٹربری اور آرچ بشپ آف یارک نے ۱۹۲۲ء میں مملکت کے چوٹی کے بشپوں اور علماء پر مشتمل ایک کمیشن قائم کیا، تا وہ مسیحی عقائد کی نوعیت اور بناء پر غور کرے اور انگریزی کلیسا کے عقائد کے موجود اختلاف و اتفاق کو مدِنظر رکھکر ان کی وضاحت کرے۔ چنانچہ اس کمیشن نے تقریباً ۱۵ سال کی محنت شاقہ کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو اپنی رپورٹ شائع کی۔

تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے
اور سکھائے۔

قرآنِ کریم سے جہاد کا جہاں یہ مطلب ہے کہ اس پر پوری طرح عمل کیا جائے اور اس کے علوم کو اخذ کیا جائے اور اسے اپنے علمِ کلام کی بنیاد بنایا جائے وہاں یہ بھی مراد ہے کہ خود اس کلام الٰہی میں اس قدر تاثیر ہے کہ اگر اسے کسی سعید طبع کے سامنے پیش کیا جائے تو یہ اس کے دِل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جس سے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔ اور اگر کسی دل میں سعادت کا بیج ہو تو یہ اس کی سختی کے باوجود اس میں گھس جاتا ہے اور اس کی آبیاری سے اسلام کا پودا پھوٹ نکلتا ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کے بڑے مخالف تھے۔ جوشِ مخالفت میں تلوار لے کر بد ارادہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر کی طرف نکلے۔ راستہ میں جب بہن بہنوئی کے اسلام لانے کا طعنہ سنا تو ان کے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ خبّاب بن الارتؓ خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ وہ عمرؓ کو دیکھ کے چھپ گئے اور آپ کی بہن فاطمہؓ نے قرآن شریف کے اوراق بھی اِدھر اُدھر چھپا دیئے۔ عمرؓ نے بہن کو زخمی کر دیا۔ جب بہن کو چوٹ آئی اور خون بہنے لگا، تو دِل پسیجا اور قرآن دیکھنے کی خواہش کی۔

جب قرآن کے اوراق دیکھے جن میں سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات لکھی تھیں، تو پڑھ کر بے اختیار بول اٹھے کہ یہ کیسا عجیب اور پاک کلام ہے۔ وہی عمر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے خود کلام الٰہی کی شوکت کا شکار ہو گئے اور دارِ ارقم میں پہنچ کر آپ کی غلامی اختیار کی۔

عثمان بن مظعونؓ بلند پایہ صحابی ہیں، وہ خانۂ کعبہ کو جا رہے تھے کہ راستہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملے حضورؐ نے انہیں اپنے پاس بٹھا لیا اور فرمایا کہ ابھی یہ کلام مجھ پر اترا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نحل کی آیات پڑھیں۔ عثمانؓ کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی اسلام نے میرے دل میں گھر کر لیا۔

جبیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ طور پڑھتے سنا۔ جب حضورؐ اس آیت پر پہنچے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ جبیرؓ کہتے ہیں مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل اڑنے لگا ہے۔

طفیل بن عمرو دوسی مشہور شاعر اور شرفاءِ عرب میں سے تھے۔ وہ مکہ گئے۔ لوگوں نے انہیں ڈرایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادو کر دیتے ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاقیہ حرم میں ملاقات

ہوگئی۔ جب قرآن سنا تو رہا نہ گیا فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔

کلامُ اللہ میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ لوگ جو اپنے کفر کے باعث بغض و عناد میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دشمن عنید تھے وہ بھی اثر لئے بغیر نہ رہتے تھے۔ اس لئے وہ کہتے تھے کہ شور ڈالو تاکہ قرآن سنا نہ جائے۔ عتبہ رئیس قریش تھے، وہ آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اس کام سے باز آجائیں تو ہم سب کچھ آپ کے لئے مہیا کر دیتے ہیں۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں سورہ حٰمٓ کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ جب یہ آیت آئی ؎

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ
صَاعِقَۃً مِّثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوْد

تو عتبہ نے بے تاب ہوکر آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے بس۔ تم کو قرابت کی قسم دلاتا ہوں کہ بس کرو۔

تعجب ہے کہ بعض کوتاہ اندیش مخالفین قلیل عرصہ میں اسلام کی وسعت کو دیکھ کر الزام لگاتے ہیں کہ اسے بجبر پھیلایا گیا۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن جیسے مؤثر حربہ کی موجودگی میں بھلا فولاد کی تلوار کی

کیا حقیقت ہے۔ اُنہیں تعصّب کے باعث متعدّد قرآنی ارشادات نظر نہیں آتے جن میں دین کے معاملہ میں جبر کو قطعی طور پر ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ تلوار بیشک آنحضرت صلی اللہُ علیہِ وسلّم کو ہاتھ میں لینی پڑی لیکن محض دفاع کی غرض سے۔ اِسلام میں جارحانہ دینی لڑائی کا تصوّر ہی موجود نہیں۔

پس یہ اللہ تعالےٰ کا اِحسان ہے کہ اُس نے ہمارے ہاتھ میں جہاد کیلئے ایسا ہتھیار دیا ہے کہ جس کی ضرب سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ سنگلاخ پتھروں میں سے آبِ حیات کے سوتے پھُوٹ نکلتے ہیں۔ بنجر ریگستانوں میں سے پھُول اُگ آتے ہیں۔ اِس سے نہ صرف پڑھنے والے کا بلکہ وُہ بھی جس پہ پڑھا جائے اور کان دَھرے خُدا سے پیوند قائم ہو جاتا ہے۔

تبلیغ مومن کی زندگی کا ذریعہ بقا ہے تبلیغ وُہ آگ ہے جس سے مومن کا دِل گرم رہتا ہے۔ تبلیغ ایسی خدمت ہے کہ جس کی مادّی صورت میں کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔

"قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا۔" (سُورۂ فرقان رکوع ۵)

یعنی تُو اُن سے کہہ دے کہ مَیں تم سے پیغامِ الٰہی کی تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے

چاہیے تو اپنے رب کی طرف جانے والی راہ کو اختیار کرے۔

وہی میرا اجر ہوگا۔"

تیسری فصل

اُسوۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم دربارۂ تبلیغ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تیئیس سالہ عہدِ نبوت میں زندگی کے ہر لمحہ کو اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی فلک شگاف عمارت کی مضبوط بُنیاد قائم کرنے میں صرف کیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبلّغین کیلئے اُن کے تبلیغی سفر کی ہر منزل میں مشعلِ راہ ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی سہ سالہ خاموش تبلیغ ایسی تھی کہ مکّہ جیسے شہر میں، جہاں بعد میں لوگ آپکے خون کے پیاسے ہوگئے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ یکے بعد دیگرے سعادت مند روحیں اِسلام کی آغوش میں آتی رہیں۔ پھر جب کھُلی تبلیغ کا ارشاد ہُوا تو پہلے تو آپؐ نے کوہِ صفا پر۔ پھر دعوتوں میں۔ پھر دارِ ارقم میں۔ گلی کوچوں میں ہر جگہ پرچا پیدا کردیا۔ بڑے سے بڑا لالچ اور بڑی سے بڑی تخویف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قدموں میں لغزش پیدا نہ کرسکی دشمنوں نے آپ سے گستاخیاں کیں۔ آپؐ کے سر میں خاک ڈالی سجدہ کی حالت میں

بن عمیرؓ کو مدینہ میں مبلغ مقرر فرمایا۔ آپ کو خدا نے بڑی کامیابی بخشی۔ ۱۳ سنہ نبوی میں نو مسلمین مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی پیشکش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ اور جلد ہی یہ کام شروع ہو گیا۔ پہلے آہستہ آہستہ صحابہ گئے اور بعد میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود کفار کی تلواروں کے درمیان سے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح سلامت محفوظ نکل کر مدینہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں جاتے ہی حضور نے تبلیغ اسلام اور نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک جماعت قائم کی جو "اَصْحَابُ الصُّفَّہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ صُفَّہ اُس چبوترہ کو کہتے ہیں جس میں وہ بیٹھے رہتے تھے۔ اس میں بعض اوقات سو سے زیادہ آدمی شامل رہے ہیں۔ بئر معونہ میں جو ارسٹھ ۶۸ مبلغین شہید کئے گئے وہ اسی جماعت کے ارکان تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے چھ ۶ سال ہو رہے تھے۔ آپ نے خواب دیکھی کہ آپ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ حج کا تو اُس وقت تک حکم بھی نازل نہ ہوا تھا، آپ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے۔ لیکن کفار نے روک دیا۔ آخر ایک معاہدہ ہوا کہ آئندہ سال عمرہ کر سکتے ہیں۔ قریش اور آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درمیان دس ۱۰ سال کا مُعَاہَدَہ ہو گیا کہ جنگ بند رہے گی۔ بعض بڑے بڑے

صحابہ کو دُکھ تھا کہ عُمرہ نہ کر سکے۔ واپسی پر راستہ میں سُورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اس مُعاہدہ کو "فَتْحًا مُّبِيْنًا" یعنی شاندار فتح قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ تھی کہ مُسلمانوں کو اَمن حاصل ہو گیا۔ جو تبلیغ کے لئے ضروری تھا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو شروع سے کُفّار سے صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ آپ کو پیغامِ حق پہنچانے سے روکا نہ جائے۔ لیکن کُفّار نے مدینہ میں بھی اتنے سال چین نہ لینے دیا تھا۔ اب آپ نے یہ موقعہ پاتے ہی نہ صرف عرب کے چاروں اطراف میں بلکہ خود عرب کے اندر تبلیغ کی مہم پورے زور سے شروع فرما دی۔ قیصرِ روم، کسریٰ ایران، مقوقسِ مصر، رئیسِ یمامہ، شاہِ حبشہ، حاکمِ غسّان، والیٔ بحرین وغیرہ اُمراء کو تبلیغی خطوط لکھے سلاطین کے علاوہ حضور نے بعض اوقات عوام کو بھی اپنے نامۂ مقدّس میں خطاب فرمایا۔ یمن میں ہمدان کا قبیلہ بہت با اثر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں اُن کے پاس خالد رضؓ کو بھجوایا۔ وہ چھ ماہ رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر اُنہیں بلا لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اُنہوں نے اُن لوگوں کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک سُنایا۔ اس کی تاثیر سے سارے کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اس کی اطلاع پہنچی تو

آپ بڑے خوش ہوئے۔ سجدہ شکر بجالائے اور سر اُٹھا کر دو دفعہ فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی ھَمْدَان۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کی طرف بھی مبلغین بھجوائے۔ اور اسلام کا چرچا ہونے پر خود قبائلِ عرب بھی اپنے نمائندے تحقیق کے لئے مدینہ بھجوانے لگے۔ اس طرح اسلام اتنی تیزی سے پھیلا۔ کہ جب سنہ ۸ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہ دس ہزار قدوسیوں کی جماعت موجود تھی۔

اس فتح کے موقعہ پر اُن خون کے پیاسوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ نبوی کا وہ بے نظیر شاندار مظاہرہ فرمایا جسے دیکھ کر دنیا ششدر رہ گئی۔ آپ نے اُنہیں بغیر کسی سرزنش یا ملامت کے اُن کے سابقہ تمام قصور معاف فرما دئے۔ اِس شاندار خلقِ نبوی سے متأثر ہو کر اہالیانِ مکہ فوج در فوج اسلام کی آغوش میں آگئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک رنگ میں فاتح بادشاہ تھے۔ ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہوگئیں اور اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اپنا کام ختم فرما کر رخصت ہوئے تو اسلام کی عالمی تحریک کے لئے ایک عظیم الشان بنیاد قائم ہو چکی تھی۔

چوتھی فصل

اُسوۂ صحابہ دربارۂ تبلیغ

آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے اپنے صحابۂ کرامؓ میں بھی اپنے قول و عمل سے تبلیغ کا جذبہ بدرجۂ اتم پیدا کر دیا ہُوا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے اُس وقت بھی جبکہ اسلام کے ابتدائی دور میں تبلیغ مخفی رنگ میں ہو رہی تھی، کامیاب طور پر اپنے آقاؐ کا ہاتھ بٹایا۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ مقدس وجود وہی ہیں جو آپ کے ذریعہ ایمان لائے۔ پھر جب مصعب بن عمیر مدینہ بھجوائے گئے، تو اُنھوں نے نہایت عمدگی سے تبلیغ اسلام کے نئے دور کی بنیاد رکھی۔ اس طرح بیرونجات میں اسلام قبول کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے مبلغین کی جماعتیں پیدا کر دیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ۔ حضرت اکثمؓ۔ حضرت عمرو بن مسعود ثقفیؓ کے کارہائے نمایاں اوراقِ تاریخ کی زینت ہیں۔

صحابیاتؓ بھی اس جہادِ کبیر میں صحابہؓ کے دوش بدوش

شریکِ کار تھیں۔ چنانچہ حضرت اُمِّ شریک رضی اللہ عنہا مخفی طور پر قریش کی عورتوں میں تبلیغ فرماتی تھیں۔ آپ ایک دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں اور آپ کا گھر گویا مسلمانوں کا مہمانخانہ تھا۔ قریش کو جب انکی مخلصانہ مساعی کا علم ہوا تو اُن کو مکّہ سے نکال دیا۔ ایسی ہی ایک اور صحابیہ دُرّہ بنتِ لہبؓ تھیں۔ آپ بھی مسلمانوں کی خُوب مہمان نوازی فرمایا کرتیں۔

ایک صحابیہ حضرت اُمِّ سُلیمؓ تھیں جن سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہٗ نے حالتِ کفر میں نکاح کرنا چاہا لیکن اُنھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ کفر و اسلام کا جوڑ کیونکر ممکن ہے؟ ہاں اگر اسلام قبول کرلو تو مجھے منظور ہے وہی میرا مہر ہوگا، اِس کے سوا کچھ نہیں مانگونگی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی انکا مہر قرار پایا۔ اُمِّ حکیم بنت الحارثؓ بھی ایک پُرجوش مُبلّغہ تھیں، جو عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں۔ جب آپ نے اسلام قبول کرلیا، تو جوشِ ایمانی سے بھرپور ہو کر اپنے خاوند کو بھی اسلام میں کھینچ لائیں جو مکّہ سے بھاگ کر یمن جا پہنچا تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی معافی کا حکم لیکر یمن پہنچیں۔ اُسے اسلام پر آمادہ کرکے ہمراہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عکرمہؓ کے اسلام لانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔

گھر کی عورتوں کی مخالفت مبلغین کے لئے بڑی پریشانی کا موجب ہوسکتی ہے چنانچہ حضرت ابو ھُریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کافرہ تھیں۔ اُن پر آپکی

تبلیغ اثر نہ کرتی تھی۔ ایک روز تو اُنہوں نے جوش میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بُرا بھلا کہہ دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھلا یہ کب برداشت کر سکتے تھے۔ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میری ماں کے لئے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعاء فرمائی الٰہی! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ گھر گئے تو دیکھا۔ دروازہ بند ہے اور اماں نہا رہی ہیں۔ فارغ ہوکر دروازہ کھولا اور کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام میں داخل ہوگئیں +

خُلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی تبلیغ کا کام برابر جاری رہا۔ مُثنّٰی بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا۔ عراق میں غارت گری کیا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسلام لانے کے بعد حاضر ہُوا اور درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم کے مُسلمانوں کا امیرُ العسکر مقرّر فرما دیجئے تا مَیں ایرانیوں کا مُقابلہ کر سکوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت نامہ لکھ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہُوئے تھے، وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۵۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس قدر کثیر تعداد میں نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے کہ اُن کی تعلیم کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص اہتمام فرمایا۔ ہر ملک میں معلّم مقرّر کئے جو نَو مسلموں کو قرآنِ کریم پڑھاتے اور دیگر مذہبی مَسائل سے واقف کرتے۔ (مسعودی صفحہ ۲۵۶)

آپ کے دورِ خلافت میں متعدد تبلیغی معرکے ہوئے۔ جنگِ قادسیہ میں رستم مارا گیا، تو دیلم کی چار ہزار منتخب فوج جو خسرو پرویز کی باڈی گارڈ تھی مسلمان ہو گئی۔ اِس جنگ کے بعد ۱۶ سنہ ہجری میں۔

"فرات کے دونوں طرف کے علاقائی رؤساء مسلمان جرنیل کے پاس آئے۔ کچھ اِسلام قبول کرنے کے لئے اور کچھ خراج کی ادائیگی کے عہد و پیمان کے لئے۔ اور اِس طرح دجلہ اور فرات کے درمیان اِسلامی حکومت قائم ہو گئی۔" (کیلیفیٹ مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۲۳)

صحابہ کی زبان میں زبردست تاثیر تھی اور اُن کے اخلاق میں ایک غیر معمولی کشش۔ لوگ بعض اوقات اُن کے اخلاق کو ہی دیکھ کر بغیر تبلیغ کے ایمان لے آتے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہو کر آیا تو مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق و اوصاف دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگا:۔

"جب تک تم میں یہ اوصاف موجود ہیں۔ تم شکست نہیں کھا سکتے۔ اَب مجھے ایرانیوں سے کچھ مطلب نہیں۔"

(طبری صفحہ ۲۲)

اِسی طرح تاریخ مقریزی میں لکھا ہے:۔

"مصر کا سردار شطا مسلمانوں کے محاسنِ اخلاق سن کر گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اِسلام قبول کر لیا۔"

صحابہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مساوات کا جذبہ پیدا کر دیا ہوا تھا، وہ ایرانیوں کے مقابلے میں خصوصیت سے نمایاں ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار زہرہ نے رستم سے اسلام کی ایک یہ خوبی بیان کی کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نکال کر خدا تعالیٰ کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصل مقصد ہے۔ اِخْرَاجُ الْعِبَادِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلیٰ عِبَادَةِ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔

پانچویں فصل

مرکزی اسلامی ممالک کے علماء و صوفیاء کے ذریعہ تبلیغ اسلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو کامل دین عطا کیا اور اس کی ظاہری و باطنی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ہزاروں قسم کے زلازل اور کئی طوفانوں اور حوادث کے اسلام ہمیشہ اپنی اصل صورت پر قائم رہا۔ اسے نہ تو اندرونی اور نہ خارجی فتنے مسخ کر سکے۔ اسکے برخلاف بدھ مذہب کو دیکھئے، اس میں تو خود خدا کے وجود کا تصور ہی موجودہ فلسفہ کے تاثر سے بالکل دھندلا سا ہو کر رہ گیا ہے۔ عیسائیت کی تو قرنِ اول میں ہی پولوس نے صورت

بگاڑ دی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے الٰہی امانت کی اپنے خونوں سے حفاظت کی اور اُن کے بعد دُنیائے اِسلام کے مختلف حصّوں میں اللہ تعالیٰ تبلیغ کا جذبہ رکھنے والے ایسے دردمند مسلمان پیدا کرتا رہا جنہوں نے اپنی زندگیاں اِس نعمت کو دُوسروں تک پہنچانے میں صرف کر دیں۔ اور جن کے کارناموں کے مُطالعہ سے قلب میں نُور پیدا ہوتا ہے اور ہمّت بلند ہوتی ہے۔ اقوامِ عالم میں اِن بزرگوں کے کارناموں پر نگاہ ڈالنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ مرکزی اسلامی ممالک کے مُجاہدین کو خراجِ عقیدت پیش کیا جائے۔

بنُو اُمیّہ پر نصف صدی گذری تھی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مسندِ خلافت پر متمکن ہُوئے۔ آپ اُموی خلفاء میں سے ایک گوہرِ نایاب تھے۔ بنُو اُمیّہ نے جزیہ کی رقم کے لالچ میں اسلامی سلطنت میں تبلیغ کی طرف کماحقہٗ، توجّہ نہ دی تھی۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے اِس طرف توجّہ فرمائی اور غیر مسلم باشندے بڑی تعداد میں مسلمان ہونے لگے۔ جس کی وجہ سے حکومت کے مالی توازن پر بڑا زبردست اثر پڑا۔ جب اہل کارانِ سلطنت نے آپ کو اِس خطرہ کی طرف توجّہ دلائی اور تشویش کا اظہار کیا۔ تو حضرت عمرؒ نے فرمایا کہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عین مقصد ہے۔ ایک دُوسرے عہدیدار کو لکھا کہ مجھے اِس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم اسلام قبول کرلیں اور جزیہ بند ہو جانے کی وجہ سے ہم تم دونوں محنت مزدوری سے

اپنا پیٹ بھریں۔

علماء میں سے صحابہؓ کے بعد تابعین کی جس سر برآوردہ جماعت نے مادی سیلاب کا مقابلہ کیا اُس میں سعید بن جُبیرؒ، محمد بن سیرینؒ اور شعبیؒ خاص طور پر ممتاز ہیں۔ لیکن اِن سے بھی زیادہ اس دَور کے درخشندہ ستارہ حسن بصریؒ ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام کا دَور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اُن کی صحبت کا فیض اُٹھایا تھا۔ اور اب اُموی دَورِ حکومت کا شباب دیکھ رہے تھے۔ اُن کی زبان میں تاثیر تھی۔ لوگ اُن کی تقریروں اور صحبتوں سے چوٹ کھا کر عیاشانہ زندگی سے تائب ہوتے۔ وُہ اپنی تقریروں میں جہاں تربیت کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے وہاں غیر مسلموں کو دین وایمان کی دعوت دیتے۔

حسن بصریؒ کے بائیس برس بعد اُمویوں کی بجائے عباسی دَور آگیا۔ اور چونکہ اُن کی پیشرو حکومت کا تختہ اُلٹنے میں عجمی امداد شامل تھی، اِس لئے دمشق کی عربی رُوح ختم ہوگئی۔ اور عجمی قوموں اور عجمی تہذیبوں کے امراض و عیوب مرکزِ اسلام میں پیدا ہوگئے۔ بغداد عیش و عشرت کا گہوارہ بن گیا۔ دَولت کی فراوانی اور غیر ملکوں کی مادّہ پرست شخصیتوں کے اختلاط سے تمدّن کی خرابیاں اور بے اعتدالیاں شروع ہوگئیں۔ مادیت کے اس متلاطم سمندر میں یہ بزرگان و داعیانِ اسلام گویا انسانی جزیرے تھے جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے۔ اگرچہ خلفاء و اُمراء کا قبضہ جسموں پر تھا مگر ان پاک لوگوں کی حکومت دِلوں اور دماغوں پر تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ہارُون الرشید

رقّہ میں مقیم تھا۔ امام المحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی جب آمد ہوئی تو اہالیانِ شہر اُن کے اِستقبال کے لئے ٹوٹ پڑے۔ خلیفہ کی ایک کنیز نے یہ اژدہام دیکھا تو پوچھا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خراسان سے ایک بزرگ عالم عبداللہ بن مبارکؒ تشریف لائے ہیں۔ اُس نے کہا یہ ہے بادشاہی۔ نہ کہ ہارون کی بادشاہی۔ کہ لوگ بغیر پولیس اور اہلکاروں کے اکٹھا کرنے کے آتے ہی نہیں۔

اِس دور میں ان کے علاوہ سُفیان ثوریؒ۔ فضیل بن ایازؒ۔ جُنید بغدادیؒ۔ معروف کرخیؒ اور بشر حافیؒ بلند مقام رکھتے تھے۔

کہتے ہیں ہارون الرّشید نے ایک مرتبہ ایک بدلی کو دیکھ کر بڑے اطمینان سے کہا "اَمطِرِی حَیثُ شِئتِ فَسَیَاتِینِی خَرَاجُکِ" یعنی "جہاں تیرے جی میں آئے جا برس۔ تیری پیداوار کا خراج بہر حال میرے ہی پاس آئے گا۔" ابن خلدون کے اندازہ کے مطابق ہارون الرشید کے زمانہ میں سلطنت کی آمدسات کروڑ ڈیڑھ لاکھ دینار سے زیادہ تھی یعنی اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپے سالانہ سے بھی زائد۔ جو اس زمانہ کے اعتبار سے بہت بڑی مالیّت تھی۔ اس وسیع اور دولت مند سلطنت کے لئے تفصیلی قوانین کی ضرورت تھی۔ اگر اِسلامی قانون کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو خطرہ تھا کہ کہیں حکومت مجبوراً یونانی یا رُومی قانون اختیار نہ کرلے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حدیث و فقہ کی تدوین کا اہتمام فرمایا۔ مُخلصین کی ایک جماعت اِس کام میں مصروف ہوگئی۔

امام ابوحنیفہؒ - امام مالکؒ - امام شافعیؒ اور پھر امام احمد بن حنبلؒ نے فقہ کو اس عمدگی سے مدوّن کیا کہ آج تک ان کی تصانیف دُنیا میں اسلامی قانون کی بناء ہیں - ان بزرگوں کا یہ کام اسلام کے استحکام کے لئے ایک اہم اور ضروری اقدام تھا۔

اسلام کے خلاف ایک بڑی یورش یونانی فلسفہ کی ہوئی - کتُب فلسفۂ یونان کے عربی تراجم کا سلسلہ تو عباسیوں کے عروج کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا - لیکن چوتھی صدی میں ان کی اشاعت اتنی بڑھی - کہ اس نے مسلمانوں کے ایک تعلیم یافتہ طبقہ کے دماغ کو ماؤف کر دیا اور تبلیغ میں زور نہ رہا - اللہ تعالیٰ نے امام اَبُوالحَسَنْ اَشْعَرِیؒ کو "کِتَابُ الفُصُول" کی تصنیف کی توفیق بخشی - یہ ایک ضخیم کتاب ہے - اور اس میں آپ نے نہ صرف فلاسفہ بلکہ طبیعیّین - دہریوں - ہندوؤں - یہودیوں - مجوسیوں اور عیسائیوں کا بھی ردّ کیا ہے - یہ بڑی ضخیم تصنیف ہے - مشہور مستشرق وِسنک Vusinch. نے اپنی تصنیف "مسلم کریڈ" Muslim Creed. میں اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

باوجود ان بزرگوں کی کوششوں کے فلسفۂ یونان کا اثر کسی نہ کسی رنگ میں پھیل ہی رہا تھا - چوتھی صدی کے وسط میں اخوانُ الصّفا کے نام سے بغداد میں فری میسنز Free Masons کی طرز پر ایک خفیہ انجمن قائم کی گئی - انجمن کے منشور کے ایک اقتباس کا ترجمہ

پیش ہے:۔

"اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آمیزش سے گندی ہوگئی ہے۔ اِس کو صرف فلسفہ کے ذریعہ دھویا اور پاک کیا جاسکتا ہے۔ اِس لئے کہ فلسفہ اعتقادی علوم و حکمت اور اجتہادی مصلحتوں پر حاوی ہے۔ اَب صرف فلسفۂ یُونان اور شریعتِ محمّدی کے اِمتزاج سے کمالِ مطلوب حاصل ہوسکتا ہے"۔

(تاریخ فلسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب)

اِسلام کو فلسفہ اور باطنیت کے مُہلک اثرات سے بچانے کیلئے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو علومِ عقلیہ و نقلیہ دونوں پر حاوی ہو۔ چُنانچہ اللہ تعالیٰ نے طہران میں عین پانچویں صدی کے وسط میں محمد طوس کے گھر میں محمد کو جنم دیا جن کی کنیت ابُو حامد ہے اور اِمام غزالی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے فلسفۂ یُونانی کی زہریلی کچلیاں توڑنے کی پُوری کوشش کی۔ اِس بارہ میں متعدّد تصانیف آپ نے فرمائیں۔ اپنے زورِ قلم سے سلاطین و اُمراء اور علمائے وقت کو جھنجوڑا۔ اُنہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے متعدّد مضامین لکھے۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک بے نظیر تصنیف کتاب "اِحیاءُ العُلُوم" ہے۔ اس میں آپ اس گروہ کو خطاب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"طمعِ دُنیا نے علمائے زمانہ کی زبانیں گُنگ کر رکھی ہیں۔ اور وُہ خاموش ہیں۔ اگر بولتے ہیں تو اُن کے اقوال و حالات میں

مطابقت نہیں ہوتی، اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر آج بھی وہ خلوص و صداقت سے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو اُن کو ضرور کامیابی ہوگی۔ کیونکہ رعیت کی خرابی سلطانوں کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اور سلاطین کی خرابی علماء کی خرابی کا نتیجہ ہے اور علماء کی خرابی کی وجہ دولت اور جاہ کی محبت کا غلبہ ہے اور جس پر دنیا کی محبت غالب آجائے، وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر بھی احتساب اور روک ٹوک نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ سلاطین و اکابر پر" (احیاء العلوم صفحہ ۳۱۲)

امام غزالیؒ نے فلسفہ کے تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ کے بعد "مَقَاصِدُ الْفَلَاسِفَہ" نام کتاب لکھی۔ اور اس کے بعد "تَهَافَتُ الْفَلَاسِفَہ" تصنیف فرمائی۔ جس میں فلسفۂ الٰہیات و طبیعیات پر تنقید کی اور اس سیلاب کو جو اسلام کے خلاف اُٹھ رہا تھا۔ آپ نے اپنے قلم کے زور سے اس قسم کی تصانیف کے ذریعہ سے روکا۔

پانچویں اور چھٹی صدی میں دو اور بزرگوں حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ اسلامی کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ حضرت سید صاحبؒ ۴۷۰ھ ہجری میں، اور علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ ۵۰۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان بزرگوں کا فیض مسلمانوں تک پہ

مطابقت نہیں ہوتی، اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر آج بھی وہ خلوص و صداقت سے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو ان کو ضرور کامیابی ہوگی۔ کیونکہ رعیت کی خرابی سلطان کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اور سلاطین کی خرابی علماء کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اور علماء کی خرابی کی وجہ دولت اور جاہ کی محبت کا غلبہ ہے اور جس پر دنیا کی محبت غالب آجائے، وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر بھی احتساب اور روک ٹوک نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ سلاطین و اکابر پر۔" (احیاء العلوم صفحہ ۳۱۲)

امام غزالیؒ نے فلسفہ کے تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ کے بعد "مَقَاصِدُ الْفَلَاسِفَہ" نام کتاب لکھی۔ اور اس کے بعد "تَہَافَۃُ الْفَلَاسِفَہ" تصنیف فرمائی۔ جس میں فلسفۂ الٰہیات و طبیعیات پر تنقید کی اور اس سیلاب کو جو اسلام کے خلاف اُٹھ رہا تھا۔ آپ نے اپنے قلم کے زور سے اس قسم کی تصانیف کے ذریعہ سے روکا۔

پانچویں اور چھٹی صدی میں دو اور بزرگوں حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ اسلامی کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ حضرت سید صاحبؒ ۴۷۰ھ ہجری میں، اور علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ ۵۰۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان بزرگوں کا فیض مسلمانوں تک ہی

اُس نے کہا کہ فقراء۔ فقہاء اور صوفیاء کو سب وظائف بدستور دیئے جاتے رہیں۔ اور ان سب کو اُس نے دشمن کی سرحد کے قریب اپنے خیموں سے دعا کے لئے خطوط لکھے۔ اِن بزرگوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر درد و رِقّت کے ساتھ دعائیں کیں اور لوگوں کے اجتماع میں رو رو کر یہ خطوط پڑھ کر سُنائے اور دعا کی تحریک کی۔ لوگوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ آخر سُلطان نُورُ الدِّین کو فتح حاصل ہُوئی۔

خلفائے بغداد رُوحانیت ہی نہیں بلکہ دُنیاوی قُوّت و شوکت بھی کھو چکے تھے۔ یورپ کے عیسائیوں نے گٹھ جوڑ کر کے مملکتِ اسلام کے خلاف ہلّہ بول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان صلیبیوں سے اسلام کو اُس کے دفاع کے لئے سُلطان صلاح الدین کے وجود میں ایک جرّی سپاہی اور ایک مخلص مبلّغ بخشا۔ "نوادِرُ السُّلطانیہ" میں تحریر ہے:۔

"میدانِ جنگ میں سُلطان صلاح الدین ایُّوبی کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچّے کا داغ اُٹھایا ہو۔ وُہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دَوڑ پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے۔ خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پُکارتے پھرتے "یا لَلْاِسْلَام" یعنی اے اسلام کا درد رکھنے والو!

اسلام کی مدد کو پہنچو) اور سلطان کی آنکھوں سے آنسو
رواں ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۱۵۵)

سلطان صلاح الدین کے عزائم بہت بلند تھے۔ گو صلیبیوں کے ساتھ دفاعی جنگ نے انہیں اُلجھائے رکھا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ سُلطان نے ایک روز فرمایا:۔

"میں تم سے اپنے دِل کی بات کہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ ساحل کو صلیبیوں سے پاک کر کے مُلک کو تقسیم کر دوں۔ وصیت کر کے اور ہدایات دے کر خود یہاں سے رُخصت ہو کر چلا جاؤں اور سمندر میں سفر کر کے یورپ کے جزائر تک پہنچوں اور ان مغربیوں کا وہاں تعاقب کروں کہ رُوئے زمین پر کوئی کافر نہ رہ جائے اور یا میں اِس راہ میں شہید ہو جاؤں۔

(نوادِرُ السُّلطانیہ صفحہ ۱۲)

۵۰۴ھ ہجری میں مولانا رُومؒ پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین تھا۔ حضرت مولانا رومیؒ نے انسانیت کو اس کا اصل مقام دِلانے کی سعی کی۔ ظالم سلطنتوں نے لوگوں اور خصوصاً فہمیدہ عِلمی طبقہ میں زندگی سے بیزاری پیدا کر دی تھی۔ عجمی تصوّف کے زیرِ اثر لوگوں میں احساسِ کمتری پیدا ہو گیا تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ لوگ قنوطیت کا شکار نہ ہوں۔

فرمایا۔ قبرص سے ایک تصنیف شائع ہوئی جس میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ تھا کہ آپؐ صرف عربوں کے نبی تھے۔ ابن تیمیہؒ نے "اَلْجَوَابُ الصَّحِیْحُ لِمَنْ بَدَّلَ دِیْنَ الْمَسِیْحِ" کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی۔ جو نہ صرف اس موضوع پر بلکہ خود امام موصوفؒ کی تصنیفات میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔

چھٹی فصل

اکناف و اطرافِ عالم میں تبلیغِ اسلام

مرکزی اسلامی ممالک میں خادمانِ اسلام کے ذکر کے بعد یہ مناسب ہوگا کہ اِس عالمگیر دین کی دُنیا میں اشاعت کے چند ممتاز واقعات کا بیان بھی کر دیا جائے تاکہ اِن سے راہنمائی حاصل کی جاسکے۔ مسلمانوں کو عرب کے باہر سب سے پہلا واسطہ مسیحیوں اور مجوسیوں سے پڑا۔ مسلمان پہلے دَور میں ہی شام، ایران، مصر اور شمالی

افریقہ پہنچے۔ اور قرآن اور قرآنی اخلاق کے ذریعہ اسلام کو پھیلاتے گئے۔ بعض معاند مسیحی مؤرخین نے الزام لگایا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام بجبر پھیلایا گیا۔ حالانکہ مسیحیوں کے بارھویں صدی کے ایک بڑے پادری کا بیان اس الزام کی تردید کیلئے کافی ہے۔ انطاکیہ کا یعقوبی بطریق میکائیل اکبر
Michael the Elder
بارھویں صدی میں ہرقل کی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"یہی وجہ تھی کہ خدائے ذُوالانتقام نے جس کے ہاتھ میں سب قدرتیں ہیں اور وہ انسانوں میں سے جس سے چاہتا ہے حکومت لے لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے حکومت دے دیتا ہے۔ اور چھوٹوں کو بڑا کرتا ہے۔ رُومیوں کی بدکرداریوں کو دیکھتے ہوئے جنہوں نے اپنی سلطنت میں ہمارے گرجاؤں اور خانقاہوں کو جَور و تعدی سے لُوٹا۔ اور ہم پر کوئی رحم روا نہ رکھا۔ ہمیں رُومیوں کے ہاتھ سے نجات دلانے کیلئے بنی اسمٰعیلؑ کو لے آیا۔ .... رُومیوں کے ظلم۔ بدکرداری۔ غضب اور ہمارے خلاف ظالمانہ جوش سے نجات پاکر امن حاصل کرنا کوئی معمولی فائدہ نہ تھا۔"

Michael the Elder. Vol II PP. 413.

عیسائیوں نے مسلمانوں کی رواداری کی تعلیم اور ان کے اعلیٰ اخلاق کے باعث اُنہیں بسا اوقات اپنے ہم مذہب بازنطینیوں کے

اُنہیں قبول نہیں کر سکتی۔ فہم اُن کے واضح تضاد کے باعث اُنہیں رد کرتا ہے۔ اُن پر غور بیکار ہے۔ اس سے کوئی قوت اُنہیں نہیں مل سکتی، خواہ کتنے شغف سے تحقیق ہو۔ نہ ہماری عقل اور نہ ہمارے حواس اُن کی تائید میں کوئی ثبوت مہیا کر سکتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ مَیں دیکھتا ہوں کہ کئی قومیں اور کئی صاحب علم و فیصلہ بادشاہ مسیحیت کے پیرو ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اُنھوں نے مسیحی تعلیمات کو باوجود اُن کے تضاد کے قبول کر لیا ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ نشانات و معجزات نے اُن کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

(مسعودی جلد دوم صفحہ ۳۸۷)

اس کے ساتھ بقول آرنلڈ مسلمان افواج کی وسیع و بے مثال کامیابی نے مفتوح مسیحی اقوام کا مسیحیت میں ایمان متزلزل کر دیا۔ اُنہیں مسلمانوں کی فتح میں خدا کا ہاتھ نظر آتا تھا۔

(پریچنگ آف اسلام صفحہ ۵۷)

یورپ کے جو متعصب مسیحی باوجود ان ممالک میں مُعلّمین و مُبلّغین کے ذریعہ اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری کی کشش سے اور خود کلام اللہ کی روحانی تاثیر کے باعث اسلام کا پھیلنا قبول کرنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے سر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ Sir T. W Arnold. کا جواب بصیرت افروز ہوگا۔

وہ لکھتے ہیں:-

"غیر مسلم آبادی کو بجبر حلقۂ اسلام میں لانے کی کوشش یا مسیحیت کے استیصال کے لئے ایذا دہی کی باقاعدہ مہم کا ہم کہیں نہیں سنتے۔ اگر خلفاء ان دونوں میں سے کسی کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے تو وہ مسیحیت کو ایسی سہولت سے ہی مٹا ڈالتے جیسے فرڈیننڈ اور آئسا بیلا نے اندلس سے اسلام کو نکال دیا تھا۔ یا لوئیس چہار دہم نے مملکت فرانس میں پروٹسٹنٹ فرقہ میں شمولیت کو قابل سزا جرم بنا دیا تھا۔ یا جیسے ساڑھے تین سو سال تک یہودیوں کو انگلستان میں داخل نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ ایشیا کے مشرقی کلیسیا باقی مسیحی دنیا سے مطلقاً کٹے ہوئے تھے۔ اور ان پہ زیادتی کی صورت میں کوئی ایک متنفس بھی ان کی حمایت میں تنکا تک نہ ہلاتا کیونکہ وہ بدعتی خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کلیساؤں کا آج تک موجود ہونا ان کے ساتھ مسلمان حکومتوں کے روادارانہ رویہ کا قوی ثبوت ہے۔"

(پریچنگ آف اسلام صفحہ ۷۹)

خلفاء اور ان کے مصاحب پُرامن تبلیغ کے حامی تھے۔ خلفائے راشدین نے تو باقاعدہ مربیان اور معلمین مقرر کئے جن کے نیک اثر سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ ویسے بھی اس دور کے

بہت سے مسلمان اپنے اندر تبلیغ کا جنون رکھتے تھے۔ خلیفہ مامون کے وقت کا ایک خط جو "رِسالۃُ عبدِاللہِ بنِ اسماعیلَ الہاشمیِ اِلیٰ عبدِ المسیحِ بنِ اِسحاقَ الکِندیِ" کے نام سے محفوظ ہے (اور لندن سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا ہے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کا مسنون طریق خلفاء ہی نہیں بلکہ دیگر اکابرِ ملت بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔

گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں صلیبیوں کی صورت میں مشرقِ وسطیٰ کے مسیحیوں میں اضافہ ہوا۔ تقریباً دو صدی تک اُنہوں نے اپنے وجود کو قائم رکھا۔ اسلام کی برتری اور مسلمانوں کا اخلاقی تفوّق اور صلیبیوں کا ایک عرصہ تک اس ماحول میں رہنا اُنہیں متأثر کئے بغیر نہ رہا۔ آخر وہ صلیبی جو تعصب سے اندھے ہو کر اپنے زعم میں اسلام کو مٹانے کے لئے آئے تھے۔ خود اُن میں رہ کر اور اُن کی صحبت سے متأثر ہو کر بینا ہو گئے۔ پھر کئی مخلص مسلمانوں نے اپنے آپکو اُن میں تبلیغ میں لگا دیا۔ جن میں سے سُلطان صلاحُ الدین ایوبی پیش پیش تھے۔ وہ کسی مسیحی مہمان کی ضیافت اُس وقت تک مکمل نہ سمجھتے تھے جب تک اُس کے سامنے زندگی بخش خوانِ اسلام نہ پیش کر لیں۔ اور بوجہ ایک صالح مؤمن بادشاہ ہونے کے اُن کی شخصیت میں جادو تھا۔ جس سے بعض صلیبی مسحور ہو کر اسلام لے آتے۔ حطین کی شکست کے بعد

کئی عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

تعصّب کی دیوار کے ہٹ جانے سے اسلام کس طرح پرورش کرتا ہے؟ اس کی ایک عجیب مثال جارجیا کی ہے۔ جارجیا کا مسیحی کلیسیا چودھویں صدی میں یونانی کلیسیا سے الگ ہو کر نکل کر قائم ہوا تھا۔ اِن لوگوں میں حُبّ الوطنی کا بڑا جذبہ پایا جاتا تھا اور اِس وجہ سے وُہ ایک غیر قوم کے مذہب پر غور کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر میں یہ رُوس کے زیرِ نگیں ہو گیا۔ اور اَب چونکہ اُس کی آزادی پر خود مسیحیت کی طرف سے زد آئی۔ اِس لئے اسلام کے خلاف تعصّب میں کمی ہو گئی۔ داغستان میں ایک داعیِ الی الحق منصور آئے اور انہوں نے کاکیشیا کے مختلف قبائل میں رُوس کے خلاف اتحاد پیدا کیا۔ اُوبکستان اور داغستان کے شہزادوں اور اُمراء میں سے کئی نے اسلام قبول کیا۔ سرکیشیا میں بھی مخلصین کی ایسی جماعت پیدا ہو گئی جنہوں نے رُوسی تسلط پر جلاوطنی کو ترجیح دی۔ لیکن ۱۷۹۱ء میں منصور کو قید کر لیا گیا اور ۱۸۰۰ء میں جارجیا رُوسی مملکت میں باقاعدہ طور پر شامل ہو گیا۔ سرکیشیا میں منصور کے ساتھ بعض اور کو بھی کام کا موقع ملا۔ ۱۷۸۲ء میں ایک تُرکی افسر فرح علی کو ایک پلٹن کے ساتھ حکومتِ تُرکی نے سرکیشیا میں رُوس کے خلاف مزاحمت پیدا کرنے کے لئے

ایک فوجی نوآبادی قائم کرنے کے واسطے بھیجا۔ فرح علی نے خود وہاں شادی کی اور اپنے ساتھیوں کو بھی شادی کی ترغیب دی۔ اس سے قبولِ اسلام کی پُر زور تحریک شروع ہوگئی۔ لیکن فرح علی ۱۸۵۷ء میں وفات پاگیا۔ تاہم یہ بیج جو پہلے منصور اور پھر فرح علی کے ہاتھوں سے لگایا گیا تھا۔ نشو ونما پاتا رہا۔ ۱۸۶۴ء میں جب رُوس نے اہالیانِ سرکیشیا کی مزاحمت کو کُلی طور پر توڑ دیا تو پانچ لاکھ مُسلمانوں نے اپنے دین کی آزادی کے لئے ترک علاقہ کی طرف ہجرت کی۔

مصر اور نوبیا میں اسلام

مُسلمان حضرت عمرو بن العاص کی کمان میں ۶۴۰ء میں مصر میں داخل ہوئے۔ اُس وقت وہاں پر قبطی عیسائی تھے۔ جو بازنطینی حکومت کے مظالم سے نالاں تھے۔ اُنہیں عمرو کے وجود میں اِن مظالم سے نجات دِلانے کے لئے اپنا مُنجی نظر آیا۔ اور مسلمانوں کی زبانی تبلیغ سے زیادہ ان کے اَخلاق وشرافت سے متاثر ہوکر مُلک کے مغلوب ہونے سے قبل ہی قبطیوں نے اِسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں خراج کی رقم سوا کروڑ تھی۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت میں پانچ لاکھ رہ گئی۔ اور حضرت عمر بن

عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں تو اتنی کم ہو گئی کہ گورنر مصر نے نومسلموں کے لئے خراج جاری رکھنے کی تجویز پیش کی۔

مسلمانانِ مصر گو فریضۂ تبلیغ کی طرف کما حقّہٗ، توجہ نہ کر رہے تھے لیکن مسیحیت کے مقابلہ پر بہر حال اسلام پوری شان و شوکت سے جلوہ گر تھا۔ پھر اسلام انسانی ذہن پر مسیحیت کی طرح قفل نہیں لگاتا۔ بلکہ دعوتِ فکر دیتا ہے اور زندگی سے بھاگنا نہیں سکھاتا بلکہ اعلیٰ روحانی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ فطرتِ صحیحہ کیلئے اسلامی ضابطۂ اخلاق کا مسیحی ضابطۂ اخلاق سے مقابلہ کرنے کے مواقع موجود تھے۔ اس لئے باقاعدہ تبلیغ کے بغیر بھی اسلام مسیحیت کو کھاتا جا رہا تھا۔ البتہ گاہے گاہے پبلک مناظرات ہوتے اور تحریری بحثیں کی جاتیں۔

وہ ممالک جہاں مسلمان سپاہی نہیں پہنچا، مسلمان تاجر وہاں بھی پہنچ گیا۔ ایسی ہی ایک مسیحی سلطنت نوبیا کی بھی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہوا تھا۔ خلیفہ معتصم کے زمانہ میں معاہدہ کی تجدید کی گئی۔ مسلمان تاجروں نے آہستہ آہستہ وہاں جانا شروع کیا۔ اور نوبیائی اسلام کی آغوش میں آنے لگے۔

حبشہ میں اسلام

حبشہ کے مسیحی بھی نوبیا کی طرح یعقوبی کلیسیا سے تعلق رکھتے تھے۔ مسلمان فاتحین نے نجاشی کے احترام کے باعث اس طرف رُخ نہیں کیا۔ بلکہ مبلغین نے بھی اس طرف بہت کم توجہ دی۔ مقریزی لکھتے ہیں کہ ۱۳۳۰ء میں ایک مبلغ ابوعبداللہ محمد نے حبشہ میں جاکر دعوتِ اسلام کا کام شروع کیا۔ دو لاکھ کے قریب اُس کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن بادشاہ نے اُن نومسلموں کے ساتھ بڑی سختی کی جنہوں نے عیسائیت کی طرف ارتداد منظور نہ کیا اُنہیں مار دیا گیا یا جلاوطن کر دیا گیا۔ بہرحال چودھویں صدی سے مسلمانوں کے ساتھ لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ اور ان پر گویا مصائب کا ہی دَور رہا۔ آخر خدمتِ اسلام کا بیڑا ایک نومسلم احمد گراں نے اُٹھایا۔ وہ ایجو Aijjo. کے پادری کا بیٹا تھا اور ادل ADAL کا حکمران ہونے کے بعد ۱۵۲۸ء سے ۱۵۴۳ء تک حبشہ میں توسیعِ اسلام کے لئے جدّ و جہد کی۔ بہت سے حبشی رؤساء نے اسلام قبول کیا اور کئی ایک جن کو جبراً عیسائی بنایا گیا تھا آغوشِ اسلام میں آ گئے۔ افسوس ہے کہ پرتگیزیوں کی مداخلت سے احمد گراں کو شکست ہوئی۔ باوجود اس کے

مسلمانوں کے اخلاقی تفوق۔ میل ملاپ اور تجارت کے باعث اسلام کی ترقی ایک حد تک جاری رہی۔ چنانچہ ایک پادری جو پینتیس ۳۵ سال تک حبشہ میں مسیحیت کی تبلیغ کرتا رہا مسلمان مبلغین کی کامیابی اور اُن کے جوش سے متاثر ہو کر لکھتا ہے:-

"اگر ملک میں ایک اور احمد گواں پیدا ہو جائے اور علمِ رسول لہرانے لگے تو سارے کا سارا حبشہ مسلمان ہو جائیگا۔"

Massage Vol xl. P124 Vid Preaching of Islam P. 119.

(بحوالہ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۱۹)

افریقہ کے دیگر ممالک میں اسلام

شمالی افریقہ کا ساحلی علاقہ رومی حکومت کے ماتحت عیسائی ہو گیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کی آمد سے قبل مُور قبائل نے رومیوں کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا مسلمانوں کے داخلہ کے وقت عیسائی آبادی کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اور مسلمانوں کے تفوّق کے بعد وُہ آہستہ آہستہ گھٹتی گھٹتی مِٹتی گئی۔ تاہم تیرھویں صدی تک الجیریا میں ایسے عیسائی موجود تھے جن تک مسلمانوں کا نفوذ نہ ہو سکا تھا۔ یہ پہاڑی قبائل کبیلی KABIL کہلاتے تھے سلسلۂ قادریہ کی ایک خانقاہ ساقیۃ الحمراء کے شیوخ نے اِن مسیحیوں میں تبلیغی مشن قائم کرنے کی

کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حتّٰی کہ ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کی شکست کے بعد جب اندلسی مُور قبائل کو وہاں سے دھکیل دیا گیا تو اُن کی ایک جماعت نے اِس خانقاہ میں آ کر پناہ لی۔ اور شیخ نے اِن جفاکش سپاہیوں کو دیکھ کر محسوس کیا کہ یہ اُس خدمت کو سرانجام دے سکیں گے جسے اُن کے مُرید بجا نہ لا سکے تھے۔ تب خانقاہ کے شیخ نے اُنہیں تحریک کی جسے اُنہوں نے خوشی سے قبول کیا۔ وُہ پانچ پانچ چھ چھ کے گروہوں میں بیک وقت مختلف اطراف کو نکل گئے۔ وُہ چیتھڑوں میں ملبُوس تھے۔ ہاتھوں میں عصا رکھتے تھے اور اُنہوں نے پہاڑوں اور چٹانوں کی کھوہوں میں اپنے مسکن بنا لئے۔ اِرد گرد کے قبائل اُن کے فقر اور ریاضت سے متأثر ہوئے اور اُنہوں نے آہستہ آہستہ اُن کے پاس آنا شروع کیا۔ یہ مجاہدین طِبّ سے بھی قدرے واقف تھے۔ اُنہوں نے اُن کے بیماروں کا علاج شروع کیا۔ اور اُن کے دُوسرے کاموں میں بھی اُن کی راہنمائی کرنے لگے۔ اُن کی جھونپڑیاں آہستہ آہستہ درس و تدریس کا مرکز بن گئیں اور وُہ جو اِسلام سے بھاگتے تھے، اس کے شیدائی ہو گئے۔ پہاڑی اور صحرائی علاقہ دونوں میں اسلام کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ (دی پریچنگ آف اِسلام صفحہ ۱۲۹)

۷۱۱ء میں طارق کی فوج نے جس نے سپین فتح کیا۔

سات ہزار نومسلم بربروں پر مشتمل تھی۔ عرب علماء ان پر مقرر کئے گئے تھے کہ اُنہیں قرآن سکھائیں اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرائیں۔ موسیٰ فاتح افریقہ میں بھی اسلام پھیلانے کا بڑا جوش تھا۔ خلیفہ عبدالملک نے جو رقم اُنھیں عطا کی تھی، اُس کا اُنہوں نے یہ مصرف تجویز کیا کہ نو عمر غلام خرید لیتے اور اُنہیں تعلیم دیتے۔ پھر جن میں سعادت پاتے اُنہیں آزاد کر کے فوج میں بڑے بڑے عہدے دے دیتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۱۰۰ھ ہجری میں جب اسماعیل بن عبداللہ کو شمالی افریقہ کا گورنر مقرر کیا تو اُس کے ساتھ بربروں کی تعلیم کے لئے دس معلّم بھجوائے۔ یحییٰ بن ابراہیم بھی صحراء کے ایک بربر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حج سے واپس آئے تو عبداللہ بن یاسین کو ہمراہ لائے اور اُنہوں نے صحراء میں تبلیغ کا بیڑا اُٹھایا۔

اِس صحراء سے اسلام کی خبر صحراء پار ملکوں میں پہنچی۔ اور دریائے سینیگال اور دریائے نائیجر کی وادیاں بربری قدوسیوں کی اذانوں سے گونج اُٹھیں۔ ماریتانیا۔ سینیگال۔ سوڈان۔ گنی۔ سیرالیون۔ آئیوری کوسٹ۔ اپر والٹا۔ غانا وغیرہ میں اسلام کا بیج بربروں یا اُن کی وساطت سے اسلام قبول کرنے والی دوسری اقوام کے لوگوں کے ذریعہ ہی بویا گیا۔ ۱۰۷۶ء میں بربروں نے غانا کے حکمران خاندان فلیبے کو نکال کر تختِ حکومت

پر بھی قبضہ کر لیا - اور اسلامی حکومت قائم کر دی - اسی طرح منڈینگو Mandingo بھی اسلام لانے کے بعد اس کے پرجوش مبلّغ بن گئے - انہیں کے ذریعہ اسلام ہاؤسا کی ریاستوں میں پہنچا اور ہاؤسا مسلمان ہوئے - اور وہ بھی منڈینگو کی طرح تبلیغ کے جذبہ سے سرشار تھے - یہ تاجر قوم تھی اور گنی سے قاہرہ تک جہاں جہاں گئے اسلام پھیلاتے گئے -

چودھویں صدی عیسوی میں عربی قبیلہ تُنجار کے لوگ ٹیونس سے بورنو - ودائی کے رستے درفور پہنچے - درفور کا بادشاہ لامذہب تھا - ان عربوں میں ایک صاحب احمد تھے، جن کا بادشاہ سے خاص تعلق پیدا ہو گیا - بادشاہ نے اپنے گھر کا انتظام اُن کے سُپرد کر دیا - آہستہ آہستہ حکومتی نظام میں بھی اُنہیں دخل حاصل ہو گیا - احمد نے اپنی اعلیٰ قابلیت سے انتظام سلطنت کا معیار بلند کر دیا - اتفاق سے بادشاہ کی اپنی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی - اُس نے اپنی بیٹی اُنہیں بیاہ دی اور اُن کو اپنا جانشین مقرر کر دیا - اس طرح وہاں پر ایک مسلمان خاندان کی حکومت قائم ہو گئی جو صدیوں چلتی رہی -

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کے طریقے عجیب ہیں - زید بن حارثہ غلامی کے ذریعہ ہی ایک بلند اور قابلِ رشک مقام تک پہنچے تھے - ایسے ہی زنجبار میں اسلام پھیلنے کی بھی ایک عجیب داستان بیان

کی جاتی ہے۔ ۹۲۲ سنہ ء میں عربوں کی ایک تجارتی کشتی طوفان سے بے راہ ہو کر ایک ایسے علاقہ میں جا پہنچی، جہاں مردم خور زنج رہتے تھے۔ کشتی والوں نے خیال کیا کہ اب موت یقینی ہے۔ لیکن بادشاہ نے احترام سے اُن کا استقبال کیا اور اپنے پاس رکھ کر کئی ماہ تک اُن کی مہمان نوازی کی۔ اِس اثناء میں وہ بڑے منافع پر اپنا مال فروخت کرتے رہے۔ لیکن تاجروں نے اِس احسان کا بدلہ کمینے پن میں دیا۔ بادشاہ اور مصاحبین جب اُن کو الوداع کہنے کے لئے کشتی میں آئے تو یہ تاجر اُنہیں گرفتار کر کے اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے آئے۔ کچھ سال بعد جب یہی تاجر پھر طوفان کا شکار ہوئے اور اتفاق سے اِسی ملک کے ساحل پر ان کی کشتی جا لگی۔ تو مقامی لوگوں نے اِنہیں پہچان لیا۔ اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اِن کا محاصرہ کر کے اِنہیں پکڑ لیا۔ اور بادشاہ کے دربار میں لے گئے۔ بادشاہ کو دیکھ کر یہ حیران اور ششدر رہ گئے کہ یہ تو وُہی ہے جس کے ساتھ اُنہوں نے دغا کیا تھا۔ اور ڈرے کہ کہیں ہم سے بدلہ نہ لے۔ مگر بادشاہ نے انتقام لینے کی بجائے اِن کی جان بخشی کی۔ انہیں اپنا مال فروخت کرنے کی اجازت دیدی۔ لیکن اِن کے پیش کردہ تحائف کو قبول نہ کیا۔ ایک نے جرأت کر کے بادشاہ سے اُس کی مخلصی کی کہانی دریافت کی۔ اُس نے بتایا کہ وہ کس طرح بصرہ میں غلام ہو کر پہنچا۔ وہاں سے بغداد لیجایا گیا، جہاں اُسنے اِسلام

قبول کر لیا اور اس کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کی۔ ایک دن وُہ اپنے مالک سے بھاگ کر مکہ جانے والے حاجیوں میں شامل ہوگیا۔ اور حج سے فراغت کے بعد قاہرہ پہنچا۔ جہاں سے وُہ نیل کے اُوپر کی طرف اپنے ملک کی جانب روانہ ہوُا۔ اور بڑے خطرات و مصائب میں سے گذرنے کے بعد اپنی مملکت میں واپس پہنچا۔ اور یہ نعمت جو اللہ نے اُسے غلامی میں عطا کی تھی، اپنی رعایا کو پیش کی۔ بادشاہ نے یہ کہانی سُناتے ہوئے تاجروں سے کہا:۔

"میں مسرور ہوں کہ اللہ نے مجھے اور میری رعایا کو اسلام اور حقیقی ایمان کا علم بخشا ہے۔ زنج کے ملک میں کسی اور کو یہ ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ چونکہ اس عطاء کا بالواسطہ باعث آپ ہی ہُوئے ہیں، اِس لئے مَیں معاف کرتا ہوں مُسلمانوں کو بتلایئے کہ ہمارا ملک اُنہیں خوش آمدید کہتا ہے اور یہ کہ ہم اُنہیں کی طرح مُسلمان ہیں اور اُنہیں اپنا بھائی تصوّر کرتے ہیں۔" (کتاب عجائبِ ہند۔ مطبوعہ لائیڈن ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۱ تا ۶۰)

زنجبار کی قبولِ اسلام کی داستان خُدا جانے کہاں تک درست ہے۔ لیکن انگریز سیاح ڈاؤٹی Doughty. تو اپنے کانوں سُنا ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ جس سے تصدیق ہوتی ہے کہ بیشک اِسلام اِتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر کسی کو آزادی کھو کر مِل جائے تو پھر بھی وہ اسے خسارے کا سَودا نہیں سمجھتا۔ بلکہ صداقت

کا حصول اُس کے اندر احسان شناسی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ ڈاوٗڈی لکھتا ہے کہ اُس نے ایک ایسے شخص سے جو کہ جدّہ میں بطور غلام فروخت ہوا تھا، پوچھا کہ کیا تمہارے دِل میں اُن لوگوں کے خلاف جذبۂ ناراضگی تو نہیں جنہوں نے تمہیں اِغوا کر کے غلام بنا لیا۔ اُسنے جواب دیا کہ "ایک چیز نے اِس کی تلافی کر دی ہے۔ مَیں بے دینوں کے ساتھ جہالت کی حالت میں رہ رہا تھا۔ اللہ کا مجھ پر کس قدر احسان ہے کہ مجھے اپنے رسول کے ملک میں لے آیا اور سچّے مذہب کا علم بخشا۔ ایمان میں کس قدر حلاوت ہے! میرے بھائی! یقین جانو اِس کی شیرینی کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کاش! یہ نعمت تمہیں بھی حاصل ہو۔ اور تم مرنے سے قبل اِسے پا سکو۔ میرے لئے یہ کتنی خوشی کی بات ہوگی۔ کہ تمہیں مُسلمان دیکھوں"!

(پریچنگ آف اسلام صفحہ ۳۴۷ و ۳۴۸)

جدّہ کا یہ نَو مُسلِم اپنے خلاف مُسلمان مالک کے جَور و تعدّی کو بھُول چکا تھا۔ بلکہ اُسے اب اپنا محسن خیال کرتا تھا۔ خود اُس کے اندر تبلیغِ اسلام کا ایسا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ موقع ملنے پر اُس نے ڈاوٗڈی کو بھی دعوتِ اسلام دے دی۔

اندلس میں اسلام

مُسلمان ۷۱۱ء سے ۱۵۰۲ء تک سپین میں حکمران رہے۔ ان آٹھ صدیوں میں وسطی یورپ کی تاریخ میں مُسلم اندلس یعنی سپین نے ایک روشن ترین باب کا اضافہ کیا۔

اِسلام مظلوم کا حمایتی ہے۔ دھتکارے ہُوؤں کو اُٹھا کے گلے لگاتا ہے۔ خاک میں رُلے ہوؤں کو رفعت بخشتا ہے۔ چنانچہ جب اِسلام سپین میں پہنچا تو مسیحی پادریوں کے ظلم سے نالاں یہودیوں اور مقہور و مجبور مسیحی غلاموں کو اپنا نجات دہندہ مُسلمان حملہ آور کی صُورت میں نظر آیا۔ لا مذہب ہسپانویوں نے بھی اس نئے دین میں اپنی نجات محسوس کی۔ مشرق کی طرح مغرب میں بھی مسیحیت اپنی رُوحانی عظمت کھو چکی تھی۔ اتنی گراوٹ آ چکی تھی کہ مختلف عیسائی عُہدے نیلام ہوتے تھے۔ اس لئے عوام بھی اپنے قدیمی مذہب سے اُکتا گئے تھے اور اِسلام اُن کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا۔ مسیحی محقّق آرنلڈ اِعتراف کرتا ہے کہ "مُسلمان فاتحین نے سپین کے مسیحیوں کے ساتھ بڑی رواداری رکھی۔ اور اُن کے جلد مُلک میں غالب آجانے کی شاید یہی وجہ تھی۔"

(پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۳۴)

پھر یہی محقّق لکھتا ہے کہ "اِسلامی سپین کی تاریخ جبر کے داغ

بھی دُوسری تیسری پُشت تک اپنے سینوں میں اسلام کا نور
اِس حد تک قائم رکھا کہ حکومت نے اُنہیں مُسلمان ہی قرار دیا:

تُرکوں کے ذریعہ تبلیغِ اسلام

عثمانی تُرکوں کو تیرھویں صدی کے شروع میں سُلطان ایکونیم ICONLUM نے منگولوں اور یُونانیوں کے خلاف اِمداد کے صِلہ میں ایشیائے کوچک کے شمال مغرب میں ایک ضلع دیدیا۔ ترقی کرتے کرتے ایک بڑی سلطنت بنی۔ تُرک ایشیائے کوچک سے یورپ کو بڑھے۔ حتّٰی کہ سنہ ۱۶۸۳ء میں یہ وِی آنا کے دروازوں پر تھے۔ تُرکوں کو اسلام سے محبّت تھی، اور اُن میں تبلیغ کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ وُہ اسلامی رواداری کے بھی حامل تھے اور ماتحت مسیحی کلیسیاؤں کے معاملہ میں دخل نہ دیتے تھے۔ عیسائی رعایا اُن سے اِس قدر خوش تھی کہ وُہ عیسائی بادشاہوں سے زیادہ اُن کو پسند کرتی تھی۔ سنہ ۱۶۶۳ء میں ایک انگریز سیّاح لکھتا ہے کہ "تُرک قُوّت سے زیادہ ہوشیاری اور چالاکی سے مذہب تبدیل کرواتا ہے۔ وُہ اپنی چابکدستی سے مسیح کو انسان کے دل سے نکال دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آجکل تُرک کِسی مُلک کو اِرتداد پر مجبُور نہیں کرتا۔ لیکن وہ دوسرے ذرائع سے غیر محسوس طور پر مسیحیّت کو بیخ وبُن سے اُکھیڑ دیتا ہے۔ ...

...مسیحیوں کو کیا ہو گیا ہے؟ اُنہیں مُلک بدر نہیں کیا جاتا۔ اُنہیں تُرکی مذہب قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ لیکن وہ پھر بھی خود بخود تُرک (مسلمان) ہو جاتے ہیں"۔ (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۵۸)

تبدیلیٔ مذہب کی اصل وجہ مسیحیت کے مقابلہ میں ترکوں کی دینداری، خلوص، مذہبی لگاؤ، جوش، صفائی، نظافت اور سادگی تھی۔ اور پھر تُرکوں کا یہ جذبہ کہ "سب سے بڑا احسان جو وہ کسی پر کر سکتے ہیں یہی ہے کہ اُس کو حلقۂ اسلام میں لایا جائے۔ ان میں تبلیغ کا بے پناہ شوق اور ولولہ پیدا کر دیتا تھا۔"

(ڈاڈسا صفحہ ۳۸ بحوالہ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۵۸)

تُرکوں کی کوشش سے ہی البانیہ۔ سرویہ۔ ہنگری۔ باسنیا۔ اور کریٹ وغیرہ میں اسلام پہنچا۔

ایران اور وسطی ایشیا میں اِسلام

ایران کے ایک معزز مجوسی خاندان کے ایک ہونہار فرد سلمانؓ ایک موقع پر عیسائیوں کو مصروفِ عبادت دیکھ کر اُس سے متأثر ہوئے اور اُن کے مذہب کی تحقیق کے شوق میں مُلک شام پہنچے۔ جہاں مختلف پادریوں کے پاس رہتے ہوئے آخر اُنہیں ایک بزرگ مسیحی کے قدموں میں حاضری کا موقع ملا۔ جس نے اپنی وفات سے قبل وصیّت کی کہ رسولِ موعود

کی بعثت قریب آگئی ہے۔ اُنہیں قبول کرنا۔ آپ کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بتائی کہ وہ ایسی جگہ ہجرت کریں گے جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہوں گے۔ بزرگ موصوف کی وفات کے بعد یہ تلاشِ موعود میں ایک قافلہ کے ہمراہ عرب پہنچے جس نے دھوکے سے اُنہیں غلام جتا کر یہودی کے پاس فروخت کر دیا۔ اُس مالک سے بنی قُریظہ کا ایک یہودی اُنہیں خرید کر مدینہ لے آیا۔ اِس اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ اور جب حضرت سلمان فارسی رضؓ پر مُنکشف ہوا کہ آں حضرتؐ ہی موعود رسول ہیں تو آپ نے اِسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہودی کی غلامی کے باعث غزوات میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے آقا سے مُکاتبت کر لو۔ بڑی مشکل سے آقا سے مُکاتبت کی شرائط طے ہوئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے وُہ جلد اِن سے عہدہ برآ ہو کر غزوۂ احزاب میں شریک ہوئے۔ یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی تھی۔ اور یہی موقع تھا جب انصار و مُہاجرین کا جھگڑا ہوا۔ دونوں فریق یہ کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ دونوں کا فرمانا بجا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر کمال محبت سے فرمایا:-

"سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ"

یعنی "سلمان تو ہم میں سے ہیں یعنی ہمارے اہلِ بیت ہیں"

وُہ قوم جس نے اسلام کے ایّامِ ابتلاء میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسا تحفہ پیش کیا۔ اُس نے خود ابتلاءً سلمانی سعادت نہ دکھائی۔ اور آخر جلالی تجلّی کے مشاہدہ کے بعد رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ کے فیضانِ رحمت سے حصّہ لیا۔

ظہورِ اسلام کے وقت ایران میں مجوسیّت غالب تھی۔ مجوسی پروہت بادشاہ کے مقرّب تھے۔ جو ہمیشہ اپنے سوا دُوسرے مذاہب حتّٰی کہ خود اپنے بدعتیوں کے خلاف بھی بادشاہ کو اُکساتے رہتے تھے۔ پھر مجُوسیوں کے نزدیک تمام وہ لوگ جو اپنے پیشوں کے لحاظ سے آگ، پانی اور مٹّی کو استعمال کرکے اُن کی بے حُرمتی کا باعث ہوتے ہیں۔ ادنیٰ طبقہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ مختلف صنعت کار اور شہروں کے پیشہ ور اسی کی زَد میں آجاتے تھے۔ اِن سب مظلومین کو ایک نجات دہندہ کی ضرورت تھی۔

مجوسیوں میں سے کئی سعید الفطرت افراد بھی اسلام میں کشش پاتے تھے۔ زرتشت علیہ السلام خُدا کے ایک فرستادہ تھے۔ اور زرتشتیوں کو اسلام کی تعلیم اپنے مذہب کی تعلیم سے

بہت حد تک مشابہ نظر آئی۔ کیوں نہ ہوتا۔ آخر حقیقتہً یہ دونوں تحریکیں ایک ہی چشمہ سے نکلی تھیں۔ اس طرح اسلام کو ایران کے ہر طبقہ میں فروغ حاصل ہوا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی بیٹی شہر بانو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شادی بھی ایرانیوں کی اسلام سے وابستگی پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔

ایران میں اگرچہ مسلمانوں نے باقاعدہ منظم طور پر تبلیغ کے لئے سعی نہیں کی لیکن بعض داعیانِ حق نے بیشک نہایت قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں بلخ کے ایک رئیس ساماں تک اسلام پہنچا اور اُس نے زرتشتی مذہب کو خیرباد کہتے ہوئے اسے قبول کر لیا۔ گورنر خراسان نے اس نو مسلم رئیس کی مدد کی اور یہ سامانی خاندان کی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ خاندان ۸۷۴ء سے ۹۹۹ء تک برسرِ اقتدار رہا۔ نویں صدی کے آغاز میں قبوسیہ خاندان کا بادشاہ کریم بن شہریار مسلمان ہو گیا۔ ۸۷۳ء میں زرتشتیوں کی ایک بڑی تعداد ناصر الحق ابو محمد کی تبلیغ سے مسلمان ہوئی۔ ۹۱۲ء میں سید حسن بن علی کی تبلیغ سے طبرستان اور دیلم کے بہت سے بُت پرست اور مجوسی مسلمان ہوئے۔ گیارھویں صدی کے شروع

میں مشہور شاعر شریف الرّضاء کی تبلیغ سے ایرانی شاعر ابوالحسن مہیار مسلمان ہوئے۔ اِس کے قریب ہی مشہور جغرافیہ دان اِبن کُردبَیہ کے دادا بغداد کے ایک برمکی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ نفوذِ اسلام کے یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام اپنی برتری اور پُر اثر تعلیمات کے زور سے ایران کے مختلف طبقوں میں پھیلتا گیا۔

وسطِ ایشیا میں تبلیغی مساعی کی تفاصیل تاریخ میں چنداں محفوظ نہیں۔ محمّد نرشخی لکھتے ہیں کہ جب قُتَیْبَہ بن مُسلِم سمرقند گئے۔ تو اُنہوں نے وہاں بہت سے بُت پائے۔ جن کے پُجاریوں کا عقیدہ تھا کہ انہیں جو چھیڑے گا، وُہ تباہ ہو جائے گا۔ قُتَیبہ نے اُنہیں آگ لگا دی۔ اور اِس طرح جب بُتوں کی عظمت انکے دِلوں سے مِٹ گئی اور جھوٹا خوف جاتا رہا تو بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ بخارا۔ سمرقند۔ ماوراءُ النّہر ہر جگہ شدید مخالفت رہی۔ تُرکوں کے بغداد آجانے اور خلیفہ کی فوج میں شامل ہو جانے سے اِس علاقہ میں اِسلام کو حقیقی پختگی حاصل ہوئی۔

منگول اور تاتار میں اِسلام

منگولوں کا سیلاب اسلامی مملکتوں پر جو تباہی لایا اُس کی مثال گذشتہ چودہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ بلکہ ابنِ اَثیر تو "تاریخ الکامل" میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ:-

"اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش ہی نہیں آیا تو ایسا دعویٰ کچھ غلط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ اور شاید دُنیا قیامت تک یاجوج ماجوج کے سوا کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے۔ اِن وحشیوں نے کسی پر رحم نہیں کھایا۔ انہوں نے عورتوں۔ مردوں اور بچّوں کو قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرکے بچوں کو باہر نکال پھینکا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط یہ حادثہ عالمگیر و عالم آشوب تھا۔ ایک طوفان کی طرح اُٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم پر پھیل گیا۔"

چنگیزی طوفان ہر آبادی اور زرخیزی کو ختم کرتا گیا۔ ہرات کی آبادی ایک لاکھ کی تھی۔ جب منگولی لشکر نکلا۔ تو کھنڈروں میں صرف چالیس نفوس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ بخارا میں منگولوں نے مسجد میں گھوڑے باندھے اور اُمراء و غرباءِ عُلماء و عوام جو قتل سے بچ گئے غلام بنائے گئے۔ سمرقند اور بلخ وغیرہ کا بھی یہی حشر ہوا۔ جب چنگیز خاں یہ تباہی مچا رہا تھا۔ بغداد میں ناصر لِدِینِ اللہ کا دَورِ خلافت تھا۔ خلافت برائے نام تھی۔ مسلمان انتشار کا شکار تھے۔ اور چنگیز اکابرِ اسلام

میں سے ایک ایک کو حرفِ غلط کی طرح مٹاتے جا رہا تھا۔ لیکن وہ بغداد کی طرف نہ بڑھا۔ بغداد کی باری تقریباً نصف صدی بعد مُعتصم باللہ کے زمانہ میں آئی۔ یہ مسیحیت پہ ایک بدنما داغ ہے کہ بغداد کی تباہی میں بڑی حد تک مسیحیوں کا ہاتھ تھا۔ مُسلمان فرمانرواؤں کے ساڑھے چھ سَو سال کے احسانات وہ یک قلم بھُول گئے۔ اور چنگیز کے پوتے ہلاکُو خاں کو عبّاسی خلافت کے مٹانے کا باعث ہوئے۔ منگو خاں کی بیوی عیسائی تھی۔ اِس وجہ سے وہ مسیحیوں کے بہت زیادہ زیرِ اثر تھا۔ آرمینیا کے مسیحی بادشاہ ہیٹن Hayton نے منگو خاں کو ترغیب دی کہ وہ بغداد کی طرف مہم بھجوائے۔ اور اُس نے ۱۲۵۷ء میں ہلاکو خاں کی قیادت میں فوج بھجوائی۔ جس نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کو تاخت و تاراج کیا۔ مُعتصم اور اُس کے ساتھ عبّاسی خاندان کے تمام افراد جو مِل سکے تہ تیغ کر دیئے گئے۔ (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۱)

اسلام انتہائی بے کسی کی حالت میں تھا۔ ایک وحشی قوم نے اسلام کے مراکزِ تہذیب کو مٹا دیا تھا۔ سوائے مصر کے مسلمان کہیں بھی مؤثر دفاع نہ کر سکے تھے۔ لیکن کون جانتا تھا کہ یہی خونخوار وحشی ایک دن اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا دست و بازو بن جائیں گے۔ منگولوں کا اصل مذہب شامن ازم تھا

جس میں ایک خدا کا تصوّر تو تھا لیکن اُس کی عبادت نہ کی جاتی تھی بلکہ مختلف دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اب منگولوں کے سامنے تین مذہب تھے۔ بُدھ مت، مسیحیت اور اسلام۔ جب مُسلمان خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ مسیحی اُن کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رہے تھے۔ اور مُسلمانوں کی ہمسائیگی میں رہنے والے مسیحی تو اُن کے منہ چڑھے ہُوئے تھے۔ مؤرّخ مقریزی لکھتا ہے کہ دمشق اور دُوسرے مقامات کے مسیحیوں نے منگولوں کے زیرِ سایہ جو زیادتیاں کیں، اُنہوں نے مغربی ایشیا میں مسیحیّت کو بڑا بدنام کر دیا۔ کیوُک کے دَورِ حکومت میں انصرامِ سلطنت اُس کے دو مسیحی وزیروں کے ہاتھوں میں تھا، اور اُس کا دربار مسیحی راہبوں سے بھرا ہُوا تھا۔ مُسلمان انتہائی مظالم کا تختۂ مشق بنائے جا رہے تھے۔ اِن مظالم میں بُدھ مت کی طرف سے بھی کوئی کمی نہ تھی۔ بُدھ مذہب اور مسیحیّت کے ساتھ اُن کا رویّہ روا دارانہ تھا۔ اور اسلام کے ساتھ ایک دِلی بُغض تھا۔

اِن مظالم و شدائد نے مُسلمانوں کے دِلوں کو سخت نہ کیا اور اُنہیں اسلام سے دُور نہ کیا۔ فولادی تلوار جو اُنہیں بچاتی تھی، ٹوٹ چکی تھی۔ لیکن رات کے تیر تو اُن سے کسی نے چھین نہ لئے تھے گو اُن کے بازوؤں میں طاقت نہ رہی تھی لیکن دِلوں میں تو حرارتِ ایمانی موجود تھی۔ درد مند مُسلمانوں نے وسیع

منگول سلطنت میں قال و حال سے تبلیغ شروع کردی۔ جس کے نتیجے میں ایران کا منگول گورنر کرغوز جو بدھ مت کا پیرو تھا، مسلمان ہوگیا۔ پھر قبلے خان کا پوتا یعنی چنگیز خان کا پڑپوتا۔ انندا جو کانسو کا وائسرائے تھا، مسلمان ہوگیا۔ اس کے زیرِ اثر اس کی فوج کا اکثر حصّہ بھی مسلمان ہوگیا۔ پہلا منگول حکمران شہزادہ جس نے اِسلام قبول کیا، اُس کا نام برکا خان تھا۔ یہ ۱۲۵۶ء سے ۱۲۶۷ء تک منگول کے سرخ غول کا سردار تھا۔ ابو الغازی نے اُس کے اِسلام لانے کا عجیب واقعہ لکھا ہے:
تخت نشینی کے بعد اُس کا بخارا سے آنے والے ایک قافلہ سے اتفاقاً آمنا سامنا ہوگیا۔ اُس نے دو تاجروں کو علیحدگی میں ملنے کا موقع دیا۔ اور اُن سے اِسلام کے بارہ میں دریافت کیا۔ اِن تاجروں نے اِس خوبی سے اِسلام کے محاسن کو بیان کیا۔ کہ برکا خان نے خلوصِ قلب سے اسلام قبول کرلیا، لیکن مخفی رکھا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی کو اِس کی تبلیغ کی۔ وہ مسلمان ہوگیا تو پھر برکا خان نے اِسلام کی کھلم کھلا تبلیغ شروع کردی۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اُس کے زمانے کے ایک عالم نجم الدین مختار الزاہدی نے ۱۲۶۰ء میں خاص طور پر برکا خان کے لئے ایک کتاب تصنیف کی، جس میں اُنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل دیئے۔

غیر مسلموں کے اعتراضات کا رد پیش کیا اور مسلمانوں اور مسیحیوں کے مناظرات کی کیفیت بیان کی۔ (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷)

مصر کے مملوک سُلطان رُکن الدین بیبرس Baybars.
کے ساتھ برکاخاں کے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔ جس سے اسلام کو مزید تقویت ملی۔ سُرخ غول کے بہت سے منگول مصر میں آئے۔ اور وہاں مصری مسلمانوں کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ ایران میں منگولوں کے درمیان اسلام کی رفتارِ ترقی سست تھی۔ ہلاکو خاں نے برکاخاں اور سلطانِ مصر کے خلاف مسیحی طاقتوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ اُس کی محبوب بیوی عیسائی تھی۔ اُس کے بیٹے آباکاخاں نے شاہِ قسطنطنیہ کی بیٹی سے شادی کی۔ اور گو وُہ خود تو عیسائی نہ ہوا لیکن اُس کا دربار مسیحیوں سے بھر گیا۔ اُس کے بھائی تکودار کی پرورش ہی بطور عیسائی کے ہوئی۔ اُسے بپتسمہ دیا گیا اور نکولس نام رکھا گیا۔ اِن حالات میں خدائے قادر نے اپنی قدرت دکھائی۔ اور تکودار مسلمان ہو گیا۔ اُس نے خود اپنے مسلمان ہونے کی خوشخبری سلطانِ مصر کو تحریر کی۔ تکودار کے جانشین بدقسمتی سے پھر بھی مسلمان نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ۱۲۹۵ء میں اِل خاں کا ساتواں اور سب سے زبردست بادشاہ غازان اسلام لایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہ! اِسکے بعد مملکت کا مذہب ہی اسلام ہو گیا۔ غازان کی پرورش بطور بُدھ ہوئی تھی اور اُس نے خراسان میں بُدھ مذہب کے کئی عبادت خانے

بنوائے تھے۔ لیکن غازان کو مختلف مذاہب کے مطالعہ کا شوق تھا۔ بعد تحقیق اُس پر صداقتِ اسلام آشکارا ہوگئی۔ غازان کے بعد اس کا بھائی اُلجیتو Uljaytu ۱۳۰۴ء میں تخت نشین ہوا، یہ بھی بچپن سے اپنی ماں کے زیرِ اثر عیسائی رہا۔ لیکن ماں کے مرنے کے بعد مسلمان ہوگیا۔ ابنِ بطوطہ لکھتا ہے کہ اُس کے قبولِ اسلام سے منگولوں میں اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اسی طرح بتدریج منگول شہزادوں میں اسلام پھیلتا گیا۔ تغلق تیمور خان (۱۳۴۷ء تا ۱۳۶۳ء) کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ بخارا کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کچھ ہمراہیوں سمیت سفر کر رہے تھے۔ کہ لاعلمی میں خان کی محفوظ شکارگاہ میں چلے گئے۔ خان کو بڑا طیش آیا اور حکم دیا۔ کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں میرے رُوبرُو پیش کیا جائے۔ وہ پیش ہوئے، تو خان نے کہا۔ تم لوگوں نے میری شکارگاہ میں جانے کی کیسے جرأت کی۔ شیخ جمال الدین نے کہا۔ کہ ہم اجنبی ہیں اور لاعلمی میں ایسی جگہ چلے گئے، جہاں جانا ممنوع ہے۔ خان کو معلوم ہوا۔ کہ یہ ایرانی ہیں۔ تو غصے میں کہا۔ "ایک کُتا بھی ایرانی سے بہتر ہے۔" شیخ نے کمالِ سکون سے جواب دیا۔ "اگر ہمیں سچا دین حاصل نہ ہوتا تو یقیناً ہم کُتوں سے بدتر ہوتے۔" اس جواب نے خان پر بڑا اثر کیا اور اُس نے کہا۔ یہ مسافر شکار سے واپسی پر پیش ہوں۔ واپس

آنے کے بعد خان نے شیخ سے پوچھا، آپ کا یہ کہنے سے کیا کیا مطلب تھا؟ سچّے دین سے کیا مُراد ہے؟ شیخ نے اِس خلوص اور جوش سے خان کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کیں کہ اُس کا پتھر دل موم ہوگیا۔ لیکن کہا کہ اگر میں نے اب اسلام کا اظہار کر دیا تو میری رعایا میرے ساتھ اِس صراطِ مُستقیم پر گامزن نہ ہوسکیگی۔ اُس وقت تک صبر کریں کہ مَیں اپنے آباء کی سلطنت کو اپنے زیرِ نگیں لے آؤں اور پھر میرے پاس آئیں۔ شیخ جمال الدّین گھر واپس چلے گئے۔ جب اُن کی رِحلت کا وقت آپہنچا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیخ رشید الدّین کو وصیّت کی کہ تیمور ایک دِن بڑا بادشاہ بنے گا۔ اُسوقت اُس کے پاس بے خوف جاکر وعدہ یاد دلانا۔ کچھ سالوں بعد جب تیمور نے اپنے آباء کی مملکت حاصل کر لی۔ شیخ رشید الدین اپنے باپ کی وصیّت کی تعمیل کے لئے اُس کے پاس گیا۔ لیکن باریابی نہ ہوسکی۔ تنگ آکر اُسے یہ سُوجھی کہ تیمُور کے خیمہ کے قریب فجر کی اذان دینی شروع کردی۔ تیمُور کو اپنی نیند کے خراب ہونے پر غصّہ آیا، اور شیخ کی طلبی کی۔ اُس نے موقع پاکر اپنے والدِ مرحوم کا پیغام دیا۔ تیمور نے جواب دیا۔ جب سے مَیں تخت پر بیٹھا ہوں مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، لیکن میں نے جن سے وعدہ کیا تھا وُہ نہ آئے۔ اب آپ آئے ہیں۔ خوش آمدید! تیمُور نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا۔ اور پھر اُس نے پورے زور دشور سے

Tulik. پہلے امیر تُولک کو

اسلام پھیلانا شروع کر دیا۔ پہلے امیر تُولک کو تبلیغ کی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور کہا۔ ہم تو تین سال ہوئے۔ کاشغر کے ایک بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہُوا تھا۔ لیکن آپ کے خوف سے اظہار سے رُکا رہا۔ تیمُور اور شیخ نے سب شہزادوں کو باری باری تبلیغ کی اور وہ مسلمان ہوتے گئے۔ ایک شہزادہ جرس نامی نے کہا۔ میں تو تب مسلمان ہوں گا۔ جب شیخ میرے پہلوان کو گرا دے۔ اُس کا پہلوان اتنا قد آور اور مضبوط تھا کہ دو سال کے اُونٹ کو اُٹھا لیتا تھا۔ اور شیخ رشید الدین دُبلا پتلا آدمی تھا۔ لیکن اُس نے چیلنج کو منظور کیا۔ اور کہا۔ اگر خُدا کی تقدیر یہی ہے کہ منگولوں کو اسلام کی نعمت حاصل ہو تو وہ مجھے ضرور فتح دے گا۔ تیمور اور دُوسرے خیر خواہوں نے شیخ کو مقابلہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کہاں رکتے تھے۔ آخر شیخ اور کافر پہلوان کی کُشتی شروع ہُوئی۔ شیخ نے کافر کے سینہ میں ایسے زور سے مُکّہ مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور جب ہوش آئی تو اُس نے اپنے آپ کو شیخ کے قدموں میں گرا دیا اور مُسلمان ہو گیا۔ لوگوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور اُس دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار مُسلمان ہُوئے۔ (ابو الغازی صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۸)

سُرخ غول کے برکا خاں کے بعد ازبک خاں (۱۳۱۳ تا ۱۳۴۰ھ)

نے اسلام پھیلانے کی بڑی جدّ و جہد کی۔ وسطِ ایشیا میں جو اُزبک پائے جاتے ہیں وُہ اُسی کے نام سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور غالباً اُسی کے زمانہ میں اسلام لائے۔ ابو الغازی لکھتا ہے کہ اُزبک خاں نے سارے رُوس میں اِسلام پھیلانے کا عزم کیا۔ مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ منگول دو صدیاں رُوس میں غالب رہے۔ لیکن مذہب کے بارہ میں اُن کا اثر بہت تھوڑا رہا۔ منگولوں سے قبل بلغاریہ کے مُسلمانوں نے بھی رُوس کو اِسلام کی آغوش میں لانے کی کوشش کی تھی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بلغاریہ میں اِسلام اُن تاجروں کے ذریعہ پہنچا تھا جو شمال سے کھالیں وغیرہ لاتے تھے۔ خلیفہ المُقتدِرؔ نے ۹۲۱ء میں اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنا سفیر بھیجا۔ اِن بلغاریوں نے شہنشاہِ رُوس ولادیمیر Vladimir کو تبلیغ کی۔ لیکن اُسے ختنہ اور ترکِ شراب پر اعتراض تھا، اِس لئے مُسلمان نہ ہوا۔

کرغیز اُنیسویں صدی کے آغاز تک لا مذہب تھے۔ ٹوبالسک سے تُرکستان کی طرف وسیع میدانوں میں آباد تھے۔ عیسائی مشن کے لئے حکومتِ رُوس سے درخواست کی گئی۔ لیکن جواب ملا کہ یہ کرغیز سی اِتنے وحشی ہیں کہ اِنہیں اناجیل پیش کرنا بیکار ہے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمان مُبلّغین جنہیں کِسی سرکاری اِمداد کا سہارا نہ تھا، وہاں جا پہنچے، اور سارے کرغیز قبائل کو اسلام کی

آغوش میں لے آئے۔ (اسلام اینڈ مشنز صفحہ ۲۵۱)

رُوس کو جب تاتاریوں کے علاقہ میں تسلّط حاصل ہُوا تو اُس نے وہاں بجبر مسیحیت پھیلائی۔ لیکن نہ اُس کی سختی اور نہ لالچ اِن مُسلمانوں کے دِلوں سے اسلام کا نقش ہٹا سکے لیکن اُنیسویں صدی کے آخر میں مُسلمانوں اور لادینی قبائل کو عیسائی بنانے کی ایک اور ترکیب اختیار کی گئی۔ ڈبلیو، ہیپورتھ ڈِکسن لِکھتا ہے کہ ایک رُوسی پروفیسر نے بتایا کہ:۔

"کازان کے شہریوں کو مسیحیت میں لانا بڑا دُشوار ہے۔ لیکن ہم دیہات سے چھوٹے چھوٹے بچے حاصل کرتے ہیں۔ جن کو خُدا کے خوف کی تربیت دیتے ہیں۔ (یعنی مسیحی بنالیتے ہیں۔ ناقل)۔ اِس طرح اگر وہ ایک دفعہ ہمارے پاس آجاتے ہیں، تو پھر واپس نہیں جاتے۔"

(فری رشیا صفحہ ۲۸۴)

اِس ترکیب سے اُنہوں نے کئی مُسلمان ماؤں کے لعل چھین لئے۔ اور یہی ترکیب ایک حد تک ہمارے مُلک کے مسیحی بھی اختیار کئے ہُوئے ہیں۔

سائبیریا کے تاتاریوں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے بہت سے مُبلّغ جاتے رہے لیکن اُن کی اکثریت جامِ شہادت نوش کرتی رہی۔ جب ۱۵۷۰ء میں کوچم خاں تخت نشین

ہوا، تو حقیقۃً اُس وقت اسلام کے قدم جمے۔ خود خان کی درخواست پر بخارا اور کازان سے مُبلغین آئے۔ وسطِ ایشیا کے مختلف شہروں کے علماء اور تاجران جو کازان سے سائبیریا آتے، وہ بھی مسلسل تبلیغ میں مصروف رہتے۔ یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ اِس علاقہ پر رُوس قابض ہوگیا۔ بالآخر اشتراکیت آگئی۔ لہٰذا اب معلوم نہیں کہ مُسلمانوں اور عیسائیوں کا کیا حشر ہوا۔

برِ صغیر پاک و ہند میں تبلیغِ اسلام

سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مملوکہ ناصر آباد اسٹیٹ واقع تھرپارکر کے پاس ایک گاؤں ہے جو دیہہ صحابو کے نام سے مشہور ہے۔ مَیں نے سُنا ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اُس موضع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ اور ایک پُرانی قبر پر جا کر فرمایا۔ یہ صحابی کا مزار ہے اور دُعا فرمائی۔ تاریخی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس برِ صغیر پاک و ہند میں پہلی مسلمان مہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پندرہ سال بعد آئی۔ پہلا فاتح جرنیل محمد بن قاسم ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت (سنہ ۸۶ ہجری تا سنہ ۹۶ ہجری) میں چھ ہزار کی فوج کے ساتھ اِس

ملک میں آیا۔ لیکن اسلام اس سے بہت قبل پہنچ چکا تھا۔
سیّد سُلیمان ندوی اپنی کتاب "عَرَب و ہند کے تعلّقات"
میں لکھتے ہیں :۔

"عَرَب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان
کے ساحل تک آتے تھے۔ اور یہاں کے بیوپار اور
پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعہ سے یورپ تک
پہنچاتے تھے۔ اور وہاں کے سامان کو ہندوستان،
جزائرِ ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔"

سیّد سُلیمان ہندوستان کی بندرگاہوں کا بیان کرتے
ہُوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"یہ عَرَب بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اُتر پڑتے
تھے۔ یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی)
چلے آتے تھے۔ اور پھر اَور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاواڑ
کی بندرگاہ تھانہ (بمبئی) کھمبایت چلے جاتے تھے۔ پھر
آگے بڑھتے تھے اور سمندر سمندر کالی کٹ اور راس کماری
پہنچتے تھے۔ اور پھر کبھی مدراس کے کنارے پر ٹھہرتے
تھے۔ اور کبھی سراندیپ (لنکا) اور انڈیمان ہو کر خلیج بنگال
میں داخل ہو جاتے تھے۔ اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو
دیکھتے ہُوئے برما اور سیام ہو کر چین چلے جاتے تھے

اپنے ظہور کے جلد ہی بعد پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۷۱ھ ہجری میں علاؤالدین خلجی کی فوج کے مقابلہ میں جو فوج آئی۔ اُس میں یہ عَرب اور عراقی مسلمان بھی تھے۔

لکادیپ اور مالدیپ نے مالابار کی وساطت سے ہی اسلام حاصل کیا۔ ان جزائر میں عَرب اور ایرانی تاجر جہاں جہاں گئے، شادیاں کیں اور وَہیں آباد ہو گئے۔ اور اِس طرح اِسلام پھیلایا۔

مسلمان بدستور مالا بار وغیرہ آتے رہے۔ اور اسلام ترقی کرتا رہا۔ سیّد ناصر شاہ جن کے نام پر مُسلمان ترچناپلی کو ناصر نگر بھی کہتے ہیں۔ سیّد ابراہیم شاہد۔ شاہ عبدالحمید۔ بابا فخرالدین اور ایسے ہی کئی اور بزرگوں نے اِن علاقوں میں شمعِ اِسلام رَوشن کی۔

حضرت عُمر بن عبدُالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب سریر آرائے خلافت ہُوئے تو اُنہوں نے ہندوستان کے کئی شہزادوں کو خطوط تحریر کِئے۔ بلاذری نے "فُتُوحُ البُلدان" میں لکھا ہے کہ کئی شہزادے ایمان لے آئے نویں صدی ہجری کے آخر میں خلافت کو جن مُشکلات کا سامنا ہوُا۔ اُن کے باعث سندھ تغافل کا شکار رہا۔ اور یہاں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ جس کے نتیجہ میں یہ علاقہ آخر معتصم کے زمانہ میں بغداد سے کٹ گیا۔ لیکن اِسلام کی پُرامن تبلیغ جاری رہی۔

مسلمان تاجر اپنے کار و بار کے ساتھ ساتھ فریضۂ تبلیغ بھی ادا کرتے رہے۔ باہر سے آنے والے بزرگوں کا نیک اثر بھی اس روحانی انقلاب میں کار فرما رہا۔ سیّد یوسف الدّین بغداد میں تھے کہ اُنہیں رؤیا میں حکم ہوا ہندوستان جاؤ اور اُس کے باشندوں میں اسلام پھیلاؤ۔ وہ ۱۴۲۲ء میں سندھ پہنچے اور دس سال کی جدّ و جہد کے بعد لوہانہ قوم کے سات سو خاندان ایمان لے آئے۔ ان میں سب سے پہلے ایمان لانے والے سُندر راج اور ہنس راج تھے۔ جن کے اسلامی نام آدم جی اور تاج محمدؐ رکھے گئے۔ آدم جی کے پوتے کے زیرِ قیادت یہ لوگ کچھ بھی گئے۔ جہاں ان کی تعداد میں اور اضافہ ہوا۔ (بمبے گزیٹیئر جلد ا صفحہ ۹۳)

اگر ہم اس طرح برِ صغیر پاک و ہند میں آنے والے بزرگوں کی فہرست پر نظر ڈالیں، تو وہ بہت لمبی ہے۔ ان میں سے کئی ایک حضرت سیّد یوسف الدّینؒ کی طرح الٰہی اشارہ ہونے پر ہی آئے۔ مَیں وقت کی رعایت سے صرف چند ایک کا ہی ذکر کروں گا۔

پنجاب کے ایک زبردست مبلّغ حضرت شیخ اسمٰعیلؒ تھے۔ آپ نے ۱۰۰۵ء میں لاہور میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اُس وقت ہندوؤں کی حکومت تھی۔ لیکن انکے وعظ سے

روزانہ ہندو مسلمان ہوتے۔ اِس علاقہ کے جس بزرگ نے بڑی شہرت پائی وہ حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ غزنی کے ایک گاؤں ہجویر میں [illegible] ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۶۵ھ ہجری میں لاہور میں وفات پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبلیغی نظام اللہ نے اپنے پیاروں کے ذریعہ اپنے ضبط میں ہی رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ "فوائد الفوائد" صفحہ ۳۵ میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک ہی پیر کے مُرید تھے۔ اور اِن کے پیر اپنے عہد کے قُطب تھے۔ حُسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے۔ کچھ دِنوں کے بعد اِن کے پیر نے خواجہ علی ہجویریؒ سے کہا کہ لہاور (لاہور) جاکر قیام کرو۔ شیخ علی ہجویریؒ نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں۔ لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ۔ جب علی ہجویریؒ حکم کی تعمیل میں لہاور (لاہور) آئے، تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حُسین کا جنازہ باہر لایا گیا۔"

گویا اللہ تعالیٰ نے ایک مُبلّغ کی وفات کے ساتھ ہی دُوسرے مُبلّغ کو پہنچا دیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ صبح کو قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ سہ پہر کو مُبلّغین کی تعلیم و تربیت فرماتے۔ شام کو کھلے میدان میں اسلام کی خوبیوں پر لیکچر دیتے۔ رات کو ذکرِ الٰہی کے ساتھ تصنیف و تالیف کرتے۔ آپکی کتاب "کشف المحجوب" تصوف پر جملہ تصانیف میں عظمت کا مقام رکھتی ہے۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آخر زندگی تک لاہور ہی میں رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن کی قبر پر چلّہ کیا۔ اور مزار سے رخصت ہوتے ہوئے جو شعر پڑھا، اُس میں آپ کو "گنج بخش" کہا۔ اِس نام نے شہرت پائی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سجستان (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات پر حصولِ علم اور منازلِ سلوک طے کرنے کے بعد ایک دن اپنی مجلسِ یازدہم میں عارف کی صفات بیان فرما رہے تھے کہ یکایک اشک بار ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں اُس مقام کا سفر کرتا ہوں جہاں میرا مدفن ہے یعنی اجمیر۔ آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

لاہور میں چلہ کے بعد ملتان آئے۔ جہاں سنسکرت اور پراکرت زبانیں سیکھیں۔ اور پھر دہلی پہنچے، اور دہلی سے اجمیر جو منزلِ مقصود تھا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اجمیر اس وقت ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہاں مسلمان نہ تھے۔ جب حضرت خواجہؒ کے قدم مبارک وہاں پہنچے، تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جن کی حد نہ تھی"۔

اجمیر اور دہلی میں راجہ پتھورا کی حکومت تھی۔ اس کے حکام نے خواجہ صاحبؒ کی بڑی مزاحمت کی۔ اور آخر لاچار ہوکر انہوں نے ہندو جوگیوں کو اپنے مزعومہ عقیدہ کے ماتحت سحر اور جادو سے خواجہ صاحبؒ کو مغلوب کرنے کی ہدایت کی۔ ایک مشہور ہندو جوگی جیپال سے آپ کا بڑا مقابلہ ہوا اور آخر میں اس نے اُن کی روحانی قوّت و کرامت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ اور اس سے راجہ پتھورا کی ریاست میں اسلام کو بڑی تقویت اور وسعت حاصل ہوئی۔ رائے پتھورا نے مخالفت کی۔ اور خواجہ صاحبؒ کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ مگر خواجہ صاحبؒ نے الہامِ الٰہی سے بشارت پاکر فرمایا:۔

"پتھورا را زندہ بہ مسلمانان دادیم"۔

(فوائد السالکین صفحہ ۱۵)

یعنی "ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے مُسلمانوں
کے حوالے کیا۔"

یہ پیشگوئی اِس طرح پُوری ہوئی۔ کہ شہابُ الدین غوری
نے خُراسان میں ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہؒ
کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں :-

"خدا تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت
عنایت کرنے والا ہے۔ تم اِس مُلک کی طرف توجہ کرو۔"

اِس کے بعد اُس نے ہندوستان پر فوج کشی کی۔ اور
دُوسرے حملہ میں جو ۵۸۸ھ ہجری میں کیا، پتھورا گرفتار ہو کر
مارا گیا۔ شہابُ الدین غوری کی فتح کے بعد خواجہ صاحبؒ کو
تبلیغ کی آزادی حاصل ہو گئی۔ اور اُن کے فیوض و برکات
سے شمالی ہندوستان نُورِ اِسلام سے مُنوّر ہو گیا۔ ہزارہا
غیر مُسلمین آپ کے ہاتھ پر مُسلمان ہو گئے۔ "خزینۃُ الاصفیاء"
میں ہے :-

"ہزار در ہزار از صغار و کبار بخدمتِ آں
محبُوبِ کردگار حاضر شدہ مُشرّف بہ شرفِ اسلام
و ارادتِ آنحضرتؒ شدند بحدیکہ چراغِ اسلام
در ہند بطفیلِ ایں خاندانِ عالی شان روشن گشت۔"

(خزینۃُ الاصفیاء صفحہ ۲۵۹)

ہزاروں ہزار چھوٹے اور بڑے اس محبوبِ کردگار کے حضور حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں شامل ہوئے۔ اس حد تک کہ۔ کہا جا سکتا ہے کہ اسی عالیشان خاندان کی بدولت ہندوستان میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔

حضرت خواجہ قُطبُ الدّین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ حضرت خواجہ مُعینُ الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندوستان تشریف لائے۔ آپ نے دہلی کو اپنا مرکز بنایا اور اجمیر سے حضرت خواجہ صاحبؒ آپ کو دہلی ملنے آتے۔ ایسے ہی آپ کے ایک سفر میں سات سو ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ کاکی صاحبؒ مُرشد کی وفات سے قبل اجمیر گئے۔ خواجہ صاحب نے دہلی رہنے کا حُکم فرمایا اور اپنی خلافت بخشی۔ سُلطان شمسُ الدین التمش حضرت کاکی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا بلکہ آپ کے خلفاء کی فہرست میں بھی اُس کا نام ہے۔ آپ کے ایک خلیفہ شیخ فریدُ الدین "گنج شکرؒ" نے پاک پٹن میں اپنا مرکز قائم کیا۔ ایک اور بہنگ حضرت

جلالُ الدین تبریزیؒ بنگال کی طرف تشریف لے گئے جہاں اُن کے ذریعہ غیر مُسلموں کی بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

حضرت بختیار کاکیؒ نے نہ صرف عوام میں اسلام کا درد اور اُس کی تبلیغ کا جذبہ پیدا کیا بلکہ خود سلطان دہلی بھی آپ سے مُستفیض ہوتے رہے۔ اور اِس طرح اِسلام کے اِقتدار کے باعث اُسے وُسعت حاصل ہوتی گئی۔ پھر ان کے خُلفاء نے پنجاب اور بنگال دونوں کو اسلام کے نُور سے مُنوّر کرنے کی سعی کی۔ خواجہ صاحبؒ کے وقت میں ہی یہاں ایک اَور بزرگ حضرت قاضی حمیدُالدین ناگوریؒ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ کے والد بخارا کے تھے۔ بغداد میں حضرت شیخ شہابُ الدّین سُہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی۔ اور سُلطان شمسُ الدین التمش کے زمانہ میں دہلی پہنچے۔ اور حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی قیام کیا۔

اِن بزرگوں نے دہلی کو منبعِ نُور بنا رکھا تھا۔ ملتان میں مکّہ معظمہ سے آئے ہوئے قریشی خاندان میں سے ایک گوہرِ نایاب حضرت شیخ بہاؤُ الدّین زکریا سُہروردی پیدا ہوئے جن کے فیوض و برکات سے نہ صرف یہ علاقہ بلکہ

برِّصغیر مُستفید ہوا۔ "سَفِیْنَۃُ الْاَوْلِیَاءْ" میں ہے:۔

"(آپ) حضرت شیخ الشیوخ (شہابُ الدِّین سُہروردیؒ) سے رخصت ہو کر مُلتان آئے اور یہیں توطن اختیار کیا۔ رُشد و ہدایت میں مشہور ہوئے، تو بہت سے لوگوں نے اِن کی ہدایت کی برکت پائی" (صفحہ ۱۹۷)

اِن کے فرزندِ ارجمند حضرت شیخ صدرُ الدِّین عارِف رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک باکمال بزرگ تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مُرید حضرت خواجہ مسعود فریدُ الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ ۵۸۴ھ سنہ ہجری میں قصبہ کھتی وال (کھوتووال) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شِہابُ الدِّین غوری کے زمانہ میں کابل سے لاہور آئے تھے اور قصور ملتان سے ہوتے ہوئے کھتی وال میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ نے اجودھن یعنی پاکپٹن کو اپنا مرکز بنایا۔ آپ کے ذریعہ غیر مسلموں کی بڑی تعداد نے اِسلام قبول کر لیا۔ اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مسمیٰ شمبھو ناتھ جو جادُو منتر اور اِستدراج میں ماہر تھا آیا۔ لیکن حضرت بابا صاحبؒ کے کشف و کرامت سے ایسا مُتاثر ہُوا کہ اُن کے قدموں پر گر پڑا۔ اور اپنے

چیلوں کے ساتھ باباصاحبؒ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔
(راحتُ القُلوب صفحہ ۲۸)

اکبر بابا فریدؒ کا بڑا معتقد تھا۔ اور اُس نے ہی اجودھن نام بدل کر پاکپٹن رکھا۔ پاک پتن کے نواح میں اِسلام اِنہی کی وجہ سے پھیلا۔ اِن کے خُلفاء میں شیخ نِظامُ الدّین اَولیاء رحمۃ اللہ علیہ جن سے سِلسلۂ نِظامیہ چلا، خاص مقام رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا۔ پھر وہاں سے بدایوُں میں سکونت پذیر ہوُا۔ جہاں ۶۳۴ سنہ ہجری میں اِن کی ولادت ہوئی۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے دہلی کو اپنا مرکز بنایا۔

اپنے مُرشد حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں کئی بار اجودھن حاضر ہوئے۔ ایک بار باباصاحب گنج شکرؒ نے دُعا کی کہ الٰہی! نظامُ الدّین جو تجھ سے مانگا کرے تُو اِسے عطا فرمایا کر۔ یہ دُعا قبول ہوئی۔ اِسی لئے وہ محبُوبِ الٰہی کہلائے۔
(سیَرُ العارِفین صفحہ ۱۳)

آپ کی نصائح اور دعاؤں سے خلجی سَلاطین اور اُمَراءِ سلطنت بھی مُستفید ہوتے رہے۔ آپ کے وُجود سے اِسلام کو تقوِیَت حاصل ہُوئی۔ اور آپ کے خُلفاء نے اِس برِّ صغیر کے مختلف حِصّوں میں اِسلام پھیلایا۔ حضرت

خواجہ نصیرُ الدّین چراغ رح نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی اور رُوحانی اثرات پیدا کئے۔ حضرت شیخ اخی سراج الدین رح نے بنگال، بہار اور آسام میں اسلام پھیلایا۔ حضرت خواجہ بُرھانُ الدّین غریب رح نے علاقہ دکّن میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ حضرت شیخ شرفُ الدّین بُو علی قلندر رح نے پانی پت کو اپنا مرکز بنایا۔ اور اِس علاقہ میں اسلام کی اشاعت کی۔ حضرت خواجہ نصیرُ الدّین چراغِ دہلی رح کے جدِّ بزرگوار خُراسان سے لاہور آئے۔ حضرت محبُوب الٰہیؒ کی ہدایت کے ماتحت دہلی میں مُستقل سکونت اختیار کی۔ مذہبی و رُوحانی استفادہ کے لئے نہ صرف اِس برِّصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات سے بلکہ ممالکِ بیرون سے بھی ہر طبقہ کے افراد آتے اور آپ حسبِ مراتب اُن کی تربیت فرماتے۔ آپ کے خُلفاء میں سے سیّد محمد بن جعفر المکیؒ الحسینی رح بھی تھے۔ اُن کا شمار منفرد اَولیاء میں کیا گیا ہے۔ اُن کے ایک اور خلیفہ حضرت میر سیّد محمّد گیسو دراز رح دہلی میں تقریباً چوالیس ۴۴ سال قیام کے بعد تیمُور کے حملہ کے زمانہ یعنی ۸۰۱ سنہ ہجری میں گلبرگہ دکّن میں مُنتقل ہو گئے۔ وہاں کے باشندے کثرت سے اِن کے مُعتقد ہو گئے۔ پس تیمُور کے حادثہ نے اِن کے ذریعہ دکّن میں اِعلائے کلمۃُ اللہ

کا موقع پیدا کر دیا۔ حضرت چراغ دہلیؒ کے ایک اور خلیفہ خواجہ کمال الدینؒ گجرات بھجوائے گئے۔ پٹنہ کے علاقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ساتویں صدی ہجری کے آخر میں ایک نیک وجود حضرت شرف الدین احمد منیریؒ ظاہر ہوئے۔ آپ نے ضلع پٹنہ کے جنگلوں میں لمبا عرصہ چلہ کشی کی۔ صحرانوردی کے زمانہ میں کئی ہندو اور جوگی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ سلطان محمد تغلقؒ نے ان کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی اور جاگیر دی۔ لیکن آپ نے سلطان کی عنایت سے اسے بہتر سمجھا کہ ایک گوشے میں بیٹھ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ پھر اُچ میں سید جلال الدین بخاریؒ مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھے۔ آپ کا اس برِ صغیر میں زیادہ تر اُچ میں ہی قیام رہا۔ کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے۔ رستہ میں بہت سے غیر مسلم ان کے ہاتھ پر اسلام لاتے۔ بیرونی ممالک سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سلطان محمد تغلق نے انہیں شیخ الاسلام بنایا اور چالیس خانقاہیں ان کے تصرّف میں دیں۔ لیکن آپ چھوڑ چھاڑ حج کو چل دئے۔ اصل میں یہ بزرگ فقیرانہ انداز کو ترجیح دیتے تھے۔ اسی لئے فرماتے ہیں:۔

"اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا، تو مغرور ہو جاتا۔ اور کیچڑ میں پڑا رہتا"

(الدُّرُّ المنظوم صفحہ ۳۴۵)

انہیں محسن بزرگوں میں سے آخری بزرگ جن کا ذکر اس برِ صغیر میں تبلیغی بیان کے ضمن میں کرنا چاہتا ہوں سیّد محمد اشرف جہانگیر سمنانیؒ ہیں۔ آپ کے والد سیّد محمد ابراہیمؒ سمنان کے سلطان تھے۔ وہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ سمنان کی حکومت سنبھالی، تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرتِ خضر فرما رہے ہیں:-

"سلطنتِ الٰہی چاہتے ہو تو یہ دُنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ"

والدہ نے بتایا کہ تمہاری پیدائش سے قبل میرے والد نے بھی بشارت دی تھی کہ ایسا فرزند پیدا ہو گا۔ جس کے نورِ ولایت سے تمام عالم منوّر ہو گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وقت آ پہنچا۔ تمہیں سفر مبارک ہو۔ سلطنت بھائی کے سپرد کر کے ہندوستان کا رُخ کیا۔ بمقام اُچ حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں سے دہلی اور دہلی سے بہار اور پھر بنگال کو روانہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں اہلِ بنگالہ حضرت شیخ علاؤ الدّین سے مستفیض ہو رہے تھے۔ آپ نے درویشی

اِختیار کی ہوئی تھی۔ لیکن آپ کے خاندان کے لوگ وزارت
دُوسرے اعلیٰ شاہی عُہدوں پر تھے۔ جب حضرت سیّد
اشرفؒ پنڈوہ کے قریب پہنچے، تو علاؤ الدّینؒ قیلولہ
فرما رہے تھے لیکن یکایک بولے:۔

"بُوئے یار مے آید"

یعنی "مجھے اپنے دوست کی خُوشبو آرہی ہے"۔
آپؒ نے ایک کوس باہر جمِّ غفیر کے ساتھ اُن کا اِستقبال کیا۔
آپؒ نے شیخ علاؤ الدّینؒ کے حکم کے ماتحت دَورہ شروع کیا۔
جگہ جگہ قیام فرماتے اور لوگوں کو اپنی تعلیمات اور رُوحانیت
سے مُستفیض فرماتے۔ ایک مقام پر ایک ہندو جوگی
آپ کی رُوحانیت سے ایسا مغلوب ہوا۔ کہ توبہ کرلی۔
اپنی ساری مذہبی کتابیں جلا ڈالیں۔ اور پانچ ہزار چیلوں
کے ساتھ مُشرّف بہ اسلام ہوا۔ ایک بار بنارس بھی
تشریف لے گئے۔ بُت خانہ کے پُجاریوں سے مُناظرے
کیئے۔ اور کرامت و اِستدراج کے مُظاہرے ہُوئے۔
ایک ہزار ہندو مُتأثر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہُوئے۔
برِّ صغیر کے مختلف حِصّوں میں گھومنے اور پھر ربع مسکُون
کی سیاحت کے بعد رُوح آباد یعنی کچھوچھ پہنچے۔ جہاں
آپ نے ۲۷ محرم ۸۰۸ھ ہجری کو وفات پائی۔

سُلطان قُطبُ الدّین ایبک کے ایک جرنیل محمد بن بختیار غلجی نے بہار اور بنگال کو فتح کیا۔ دس سال کے لئے پھر راجہ کنس کے ماتحت ہندو راج آگیا۔ لیکن راجہ کا بیٹا جت مَل اِسلام کی طرف مائل ہوگیا۔ اُس نے اپنے اُمراء کو جمع کیا۔ اور کہا کہ وہ اِسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ اگر اَعیانِ سَلطَنَت کو اِس حالت میں اُس کا تخت پر مُتمکّن ہونا پسند نہ ہو تو وہ تخت اپنے بھائی کو پیش کردے گا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ آپ کے مذہب سے ہمیں سروکار نہیں۔ آپ بیشک مسلمان ہوں لیکن ہمارے راجہ بھی رہیں۔ اِس پر سینکڑوں عُلماء کی مَوجودگی میں راجہ نے اسلام قبول کیا اور جلالُ الدِین محمد شاہ کا لقب اِختیار کیا۔ اِس کے عہد میں ہندو بکثرت مُسلمان ہُوئے۔ مِسیحیوں اور ہندوؤں نے بنگال میں اسلام پھیلانے میں جَبر کے استعمال کا اعتراض کیا ہے۔ خود عیسائی مِشنوں کا رسالہ ایک ایسی حقیقت بیان کرتا ہے۔ جس سے یہ اِلزام ردّ ہو جاتا ہے۔ دی انڈین اَیوَینجلیکل ریویو بابت جنوری ۱۸۸۳ء صفحہ ۲۷۸ میں لکھا ہے کہ :-

"بنگال میں اسلامی حکومت کے پُرانے مراکز

میں داخلہ کی رسم (اُن مُراد ختنہ ہے) اس سے اِرتداد
کو ناممکن بنادیتی ہے۔ اور نَو مُسلِم اور اُس کی نسل
ہمیشہ کے لئے حقیقی مومن بن جاتی ہے۔ اِس طرح
اِسلام ہندوستان کے زرخیز ترین دریائی زمین
والے صُوبہ میں قائم ہوگیا۔ یہ صُوبہ بہت جلد اور
کثرت سے بڑھنے والی آبادی کے لئے خوراک
مہیّا کرنے کے قابل تھا۔ کبھی کبھار جَبری قبولیّت
کا واقعہ بھی نظر آتا ہے۔ لیکن زیریں بنگال میں
اسلام کی ترقی جَبر کی مرہُونِ منّت نہیں۔ اِسلام
نے لوگوں کو مُتأثر کیا۔ اور اسے زیادہ تر غُرباء
نے ہی قبُول کیا۔ یہ خُدا کا بُلند تر تصوّر اُن کے
پاس لایا۔ اور اِنسانی اُخُوّت کا شاندار نظریّہ
پیش کیا۔ اِس نے بنگال کی اَدنیٰ اقوام کی بڑی
تعداد کو جو صدیوں سے ہندو قوم کی خارجی
حدّ پر حالتِ یاس میں پڑی تھی، نئے تمدّنی
نظام میں داخلہ کی کُھلی دعوت دی۔"

("دی ریلیجنز آف اِنڈیا" مطبوعہ روز نامہ "دی ٹائمز"
۲۵ر فروری ۱۸۸۶ء)

ملایا۔ اِنڈونیشیا وغیرہ میں اسلام

گذشتہ چھ سات صدیوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں، تو ہمیں اِن ممالکِ مشرقِ بعید میں جہاں اب کثرت سے مُسلمان موجود ہیں۔ مُسلمان مُبلّغین کی مُسلسل جدّ و جہد کے آثار نظر آتے ہیں۔ اِبتداء میں جب یہ داعیانِ اِسلام اِن ممالک میں پہنچے، تو یہ اسپین کے زیرِ اثر تھے اور اُنہیں سخت نامُساعِد حالات میں کام کرنا پڑا۔ اِنڈونیشیا میں اِسلام برِّصغیر ہند و پاکستان کے تاجروں کے ذریعہ پہنچا۔ چنانچہ اُن دِنوں جبکہ مَیں لندن میں تھا۔ اِتفاق سے انڈونیشیا کے وزیرِ خارجہ حاجی آگس سلیم وہاں تشریف لائے۔ مَیں نے اُنہیں مِشن ہاؤس میں کھانے پر بُلایا۔ میری خوش آمدید کی تقریر کے جواب میں وزیرِ موصُوف نے تقریر فرمائی۔ جس میں اُنھوں نے نہایت خوُبی سے اِس حقیقت کو بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "آپ ہمارے دُہرے محسِن ہیں۔ یہ آپ کے مُلک کے ہی لوگ تھے جن کے ذریعہ ہمیں اسلام کی نعمت پہنچی، اور اِس دَور میں پھر آپ کو ہی یہ توفیق مُیسّر آئی، کہ ہمارے

لوگوں نے اِسلام قبول کر لیا۔

ملایا میں اِسلام مالابار اور دکن کے تاجروں کے ذریعہ پہنچا۔ ملائی شافعی ہیں۔ اور کارومنڈل اور مالابار کے ساحل کے اکثر مُسلمان شافعی ہی ہیں۔ فلپائن میں بھی مُسلمان تاجروں کے ذریعے ہی اسلام کے قدم جمے۔

ہند چینی میں اسلام دسویں صدی میں عَرَبی اور ایرانی تاجروں کے ذریعہ پہنچا۔ اور پھر چودھویں صدی میں ملائی مُسلمانوں کے وہاں جانے سے اسلام کو اَور تقویت حاصِل ہوئی۔

مُعانِد مؤرِخین و نَقّادِین کو جنوب مشرقی ایشیاء کے ان ممالک میں اسلام کی اشاعت کے حالات پر غور کرنا چاہیئے۔ کیا اُنہیں یہاں آنے والے کِسی تاجِر یا مُبلّغ کے ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے؟ اِن ممالک کے مُسلمانوں کی آبادی تو دس کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ اگر اِس قدر بڑی تعداد محض تبلیغ کے ذریعہ حلقہ بگوشِ اِسلام ہوسکتی ہے، تو تلوار کی کیا حاجت ہے؟

چین میں اِسلام

چینی تارِیخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مُسلمانوں کا قدم چین میں ساتویں صدی میں یعنی خاندانِ ٹانگ Tang. (سنہ ۶۱۸ء تا سنہ ۹۰۷ء) کی ابتداء میں پہنچا۔ مُسلمان سب سے پہلے کینٹون گئے۔ اُس زمانہ کا مؤرّخ اِس مقام پر آباد مُسلمانوں کی یہ دو خصوصیتیں بیان کرتا ہے۔ وُہ بہت دَولت مند ہیں اور اپنے مُنتخب امیر کے ماتحت رہتے ہیں۔ یہ مُسلمان غالباً تاجر ہی تھے۔ اور بحری رستے سے وہاں پہنچے۔ کیونکہ عَرب تاجر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، کشتیوں میں آتے تھے، اور چین تک پہنچتے تھے۔

شِکستہ خوردہ شہنشاہ یزد گرد کے بیٹے فیروز نے شاہِ چین سے اِمداد طلب کی، لیکن اُس نے دُوری کے باعث معذوری ظاہر کی۔ البتّہ اُس نے اپنا سفارشی سفیر حضرت عُثمان رضی اللہُ عنہُ کی خِدمت میں بھجوایا۔ سنہ ۶۹۱ء میں اُس کی واپسی پر حضرت عثمان رضی اللہُ عنہُ نے اپنا ایک جرنیل اُس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ شاہِ چین نے اُس کا مُناسب اِعزاز کیا۔

کی طرف توجّہ نہ دی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں منگولوں کے دَور میں عَرَب، ایران، ترک اور دُوسری قوموں کے بہت سے مُسلمان چینی سلطنت میں آئے۔ وُہ تاجر، صنّاع، سپاہی یا آباد کار تھے۔ یا بطور جنگی قیدی لائے گئے تھے۔ اِن میں سے اکثر مُلک میں مُستقِل طور پر آباد ہو گئے اور چینی عورتوں کیساتھ شادیاں کر لیں۔ بہت سے مسلمان منگول بادشاہوں کے ماتحت اعلیٰ عُہدوں پہ فائز تھے۔ اِنہیں میں سے ایک عُمر شمسُ الدّین سیّد اَجل کے نام سے مشہُور ہیں۔ آپ بُخارا سے آئے تھے۔ چنگیز خاں کے بیٹے قُبلے خان کے ۱۲۵۹ء میں تخت نشین ہونے پر شاہی مالیات کا قلمدان ان کے سپرد کیا گیا۔ جب یُنّان Yunnan. فتح ہُوا تو وُہ اُس کے گورنر بنائے گئے۔

سیّد اَجل کی اَولاد نے قیامِ اسلام کے لئے شاندار کام کیا۔ سیّد صاحب کے پوتے نے ۱۳۲۵ء میں شہنشاہ سے اِسلام کے متعلّق یہ تعریفی کلمات حاصل کئے "سچّا اور پاک دین"۔ اِن کی اَولاد میں سے ایک اَور کو ۱۴۲۰ء میں دُو صُوبائی دارالحکومتوں میں مَساجد بنانے کی اِجازت ملی۔ سیّد اَجل کی حَوصلہ اَفزائی کے باعِث بہت سے ترک اور ایرانی چین میں آ گئے۔ اِبن بَطُوطہ جس نے چودھویں صدی عیسوی کے وَسط میں چین کی سیاحت کی لکھتا ہے کہ چین کے بہت سے

ساحلی قصبات میں میرے ہم مذہبوں نے مجھے خوش آمدید کہی۔ مسلمانوں کا علیحدہ محلہ ہوتا تھا۔ اور چینی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب منگولوں کا دور ختم ہوا، اور حکومت کی پالیسی کے باعث باہر سے مسلمانوں کی آمد رک گئی۔ تو پھر یہ مسلمان چین میں غیر ملکی نہیں بلکہ ملکی تصور کئے جانے لگے۔ چینی اور تیموری شہزادوں کے درمیان سفارتوں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ شاہ رخ بہادر نے ۱۴۱۲ء میں سمرقند میں چینی سفارت کی آمد پہ اپنے جواب میں شہنشاہ کو اسلام کی دعوت دی۔ چین میں کچھ یہودی بھی آباد تھے۔ مسلمانوں نے انہیں تبلیغ کی اور اُن میں سے بعض مسلمان ہو گئے۔ ۱۸۶۷ء میں ایک روسی مصنف ویسی لیف Vasilev نے چین میں اسلام کے موضوع پہ اپنی تصنیف میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ ضرور ایک دن اسلام سلطنت چین کا قومی مذہب بن جائیگا۔ اور اس طرح مشرقی دنیا کے سیاسی حالات کو بدل دیگا۔ ایک انگریز محقق اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۸۹۶ء میں لکھتے ہیں کہ تقریباً نصف صدی قبل خطرہ کی گھنٹی دی گئی تھی لیکن ابھی تک ان توہمات کے حقیقی ہونے کے بارہ میں کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ بلکہ اس کے خلاف یہ دکھائی دے رہا ہے کہ گذشتہ صدی میں اسلام ترقی کی بجائے تنزل کی طرف گیا ہے۔ مسلمانوں کی مختلف بغاوتوں اور

لیکن اِن سب میں ایک جوش تھا کہ کسی طرح ظُلمت کدۂ عالم کو اِسلام کے نوُر سے مُنوّر کر دیں۔ اِن میں تڑپ تھی کہ جیسے بھی ہو جاں بلب اِنسانیت کے مُنہ میں آبِ حیات کے چند قطرے ٹپکا دیں ۔ اِن میں دِیانت تھی، اَمانت تھی، اعلیٰ اَخلاق تھے ۔ اور زباں ابھی ہلا ہی نہ پاتے تھے کہ لوگ اِن کے حُسنِ اَخلاق کے باعث گرویدہ ہو جاتے۔ اِن کے نزدیک کوئی اِنسان حقیر نہ تھا۔ اور ہر جان قابلِ عظمت تھی۔ لیکن اُن کی اپنی جان کی اللہ کی راہ میں کوئی قیمت نہ تھی۔ یہ چار دانگِ عالم میں نکل گئے۔ آسمانی اِرشاد "قُل ھُوَ اللہُ اَحَد ٭" کی تعمیل میں ہر جگہ بڑے زور سے وحدانیتِ الٰہی کا اِعلان کیا۔ وادیٔ ضلالت میں سرگرداں لوگوں کو بتایا کہ اُن کا مُنجی صحرائے عرب میں ظاہر ہو گیا ہے۔ صدیوں کے مظلوموں کو پیغام دِیا کہ اُن کا رستگار آ پہنچا ہے۔ اللہ نے اُن کی مساعی کو نوازا ۔ اِسلام باوجود مخالفتوں کے بڑھتا گیا۔ حوادث کی آندھیاں اِن داعیانِ حق کے پائے ثبات میں لغزش نہ پیدا کر سکیں۔ نوِشتۂ تقدیر کے مُطابق مُسلمان اپنے فرائض کو بھول گئے۔ اور اُس کی پاداش میں تباہ و پامال ہوئے۔ لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں زِندگی کی رمق باقی رہی۔ جب ایک

قوم کے ہاتھ سے علمِ اسلام گرنے لگا تو دوسری نے بڑھ کر تھام لیا۔ حتیٰ کہ مغلوں کا دور آیا۔ اسلامی تہذیب و فنون کے مراکز میں چراغِ حیات گُل ہو گئے تو اللہ نے خود منگول قوم کی آنکھیں کھول دیں۔ خود اُن کے صدیوں کے تاریک قلب میں شمعِ ایمان روشن کر دی۔ معمولی تاجروں اور عام عالموں کی تبلیغ یا یوں کہنا دُرست ہوگا کہ اسلام کا دَرد رکھنے والوں کی سحری کی دُعاؤں کے نتیجہ میں پتھروں سے چشمۂ ایمان پھوٹ پڑا۔ . . . . آج دُنیائے اسلام منگولی حادثہ سے بھی بڑی مصیبت سے دوچار ہے۔ دجّالی اژدہا حضرت سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پیشگوئی کے مطابق ہزار برس کی قید سے باہر نکل آیا ہے اور پھنکار رہا ہے۔ (نورُ الحق صفحہ ۵۸)

یورپ اور ایشیا بلکہ ساری دُنیا یأجوج مأجوج کی زد میں ہے۔ ایک حصّہ نے اگر مریمؑ کے بیٹے کو خدا بنایا ہے، تو دوسرے نے خدا کا سرے ہی سے انکار کر دیا ہے۔ مسلمان گو اِس وقت دُنیا کی آبادی کا ۱/۵ ہیں اور بے شمار مملکتوں پر ہلالی پرچم لہرا رہا ہے۔ لیکن وُہ باوجود اِس تعداد اور آزادی کے کمزور ہیں۔ اور مسیحیّت کی یورش سے محفوظ نہیں۔ دُور کی

حقیقت یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کی مسموم فضاء مُسلمانوں کے قلوب کی پاکیزگی کو مُتاثر کرچکی ہے۔ مادّہ پرستوں کے مقابلہ میں مسلمان کچھ نہ رکھتے ہوئے بھی اپنی ذِمّہ داریوں سے غافِل مادِیّت کا شکار ہیں۔ اور نفسانفسی کا عالَم ہے۔ اِس کیفیّت کو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یُوں بیان فرماتے ہیں:-

"بیکسے شُد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست"

یعنی "احمدؐ کا دین بے یار و مددگار ہوگیا۔ کوئی اُس کا عزیز اور دوست نہیں۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف ہے۔ احمدؐ کے دین سے کچھ واسطہ نہیں"۔

مسلمانوں کی حالت کے مقابلہ میں تثلیث کے منّاد ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں آزاد دُنیا کے گلی کوچوں میں پھیل گئے ہیں۔ اور وُہ مسیح کے حواریوں کی طرح خالی ہاتھ نہیں، بلکہ سیم و زر کے انبار لُٹا رہے ہیں۔ ہندو صدیوں کی غُلامی کے بعد وُہ طاقت حاصِل کر رہا ہے جو دُنیائے اِسلام کے لئے خطرۂ عظیم ہوسکتی ہے۔ اِسی طرح تقریباً اسّی کروڑ انسان اشتراکیّت کے چنگل میں ہیں۔ اِن میں سے کروڑوں مسلمان تھے۔

جن کے اسلام کی اب کوئی خبر نہیں۔ لیکن ہم اس مہیب فتنہ سے مرعوب نہیں ہیں۔ کیونکہ مخبر صادق علیہ السلام نے نہ صرف اس کی بلکہ انجام کار اسلام کی کامیابی کی بھی خبر دی تھی۔ اور پھر اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے علم پاکر اسلام کے شاندار مستقبل کی نشاندہی فرمادی تھی۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں :-

" اے تمام لوگو! سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔ اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا " (تذکرہ صفحہ ۴۶۲)

ماضی میں اسلام کی مختلف ممالک میں ترقی کے علل و اسباب اور مواقع پر غور کرنے سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کا نقش وہاں آسانی سے ثبت ہوگیا، جہاں کسی اور مذہب کا نقش موجود نہ تھا۔ اور لوح سادہ تھی۔ اب چین، روس اور ایک حد تک مشرقی یورپ بھی، لوحِ قلب سے تمام مذاہب کے نقوش مٹا رہا ہے۔

لگ جائیں۔ اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کریں۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اپنوں میں بیگانوں میں، خدا کے نام کو بلند کرنے اور اُس کے رسول ؐ اور اُس کے مسیح ؑ کا پیغام ہر چھوٹے بڑے کو پہنچانے کے لئے ساعی رہیں۔ اپنے اَمْوَال کو خدا کی راہ میں خرچ کریں۔ تحریکِ جدید کو ہر رنگ میں تقویت دیں۔ غیر زبانیں سیکھیں۔ اور ہم تاجر ہوں یا پیشہ ور، مزدور ہوں یا محض بیکار۔ اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے دُنیا میں پھیل جائیں۔ یہ اقدام وُسعت و کثرت کے حصول کے لئے ہی نہیں بلکہ ہماری بقاء کے لئے بھی ضروری ہے۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اَیَّدَہُ اللہُ تعالیٰ بِنَصْرِہِ العزیز فرماتے ہیں:۔

"اَے ابراہیم ثانی کے پرندو! اگر احیاء چاہتے ہو تو دُنیا میں پھیل جاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ کامیابی ذریعہ یہی ہے"۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۷ء)

ایک اور موقع پر حضور فرماتے ہیں :-

"اگر تم دنیا میں نہ پھیلے اور سو گئے، تو وہ تمہیں گھسیٹ کر جگائے گا۔ اور ہر دفعہ کا گھسیٹنا پہلے سے زیادہ سخت ہو گا۔ پس پھیل جاؤ دنیا میں، پھیل جاؤ مشرق میں، پھیل جاؤ مغرب میں، پھیل جاؤ شمال میں، پھیل جاؤ جنوب میں، پھیل جاؤ یورپ میں، پھیل جاؤ امریکہ میں، پھیل جاؤ جزائر میں، پھیل جاؤ چین میں، پھیل جاؤ جاپان میں، اور پھیل جاؤ دنیا کے کونے کونے میں۔ یہاں تک کہ دنیا کا کوئی گوشہ، دنیا کا کوئی ملک اور دنیا کا کوئی علاقہ ایسا نہ ہو جہاں تم نہ ہو۔ پس تم پھیل جاؤ جیسے صحابہؓ پھیلے۔ پھیل جاؤ جیسے قرونِ اولیٰ کے مسلمان پھیلے۔ تم جہاں جہاں جاؤ،

اپنی عزت کے ساتھ سلسلے کی عزت قائم کرو۔
جہاں پھرو، اپنی ترقی کے ساتھ سلسلے کی ترقی کا
موجب بنو۔"

(خطبۂ جمعہ ۵ار فروری ۱۹۳۶ء مندرجۂ الفضل جلد ۲۳ نمبر ۲۱)

پھر حضور اَیَّدَہُ اللّٰہُ تعالیٰ بِنَصْرِہِ الْعَزِیْز نے
۱۹۵۳ء میں اسی جلسہ سالانہ کے موقع پر جو فرمایا وہ تو
گویا صُورِ اسرافیل ہے۔ حضور فرماتے ہیں :-

"اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے۔
اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو خدا تعالیٰ نے
پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔
اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!
اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!
اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!
ایک دفعہ اس نوبت کو پھر اس زور سے
بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔

ایک دفعہ پھر اپنے دِلوں کے خون اِس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں۔ تاکہ تمھاری درد ناک آوازیں اور تمھارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آجائے، اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اِس زمین پر قائم ہو جائے۔ اِسی غرض کیلئے مَیں نے تحریکِ جدید کو جاری کیا ہے اور اِسی غرض کے لئے مَیں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہؤا ہے۔ تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہؐ کو دینا ہے۔ اور

محمد رسول اللہؐ نے وہ تخت خدا کے
آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی
بادشاہت دُنیا میں قائم ہونی ہے۔
پس میری سُنو اور میری بات کے
پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں
وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں
مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔
تم میری مانو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔
خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے
ساتھ ہو۔ اور تم دُنیا میں بھی عزّت
پاؤ اور آخرت میں بھی عزّت پاؤ۔"

(سیرِ رُوحانی جلد سوم)

آخر میں آئیے ہم حضور کے الفاظ میں ہی
دعا کریں:۔

"اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی خدمت کی

ایسی توفیق دے کہ ہمارے ذریعہ سے
اسلام پھر طاقت پکڑے اور
قوت پکڑے اور ہم آنکھوں سے
خدا اور اُس کے رسولؐ کی بادشاہت
اس دنیا میں دیکھ لیں۔ اور جس طرح
ہماری پیدائشیں ایک افسردہ دنیا
میں ہوئی ہیں ہماری موتیں خوش دنیا
میں ہوں۔ آمین یا ربّ العالمین ○

طالبِ دُعاء
محمد اسمٰعیل خوشنویس فیروزوالہ حال ربوہ
تحریر نمود

پس تبلیغ کے لئے دعویٰ اور دلائل اپنے الہامی صحیفہ سے پیش کرنا اسلام کا ہی ایک طرۂ امتیاز ہے جس میں کوئی دوسرا مذہب شریک نہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے جو علمِ کلام پیش کیا اور جس کے سامنے کوئی مذہب نہیں ٹھہر سکتا، اس کے اعجاز کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کی بنیاد کلّیۃً قرآن مجید پر ہے۔ کلام الٰہی کی اس زبردست طاقت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے جہاد بالقرآن کا حکم دیا اور اسے بڑا جہاد قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ
بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

(سورۂ فرقان رکوع ۵)

"تو کافروں کی بات نہ مان اور ان سے اس قرآن کے ذریعہ جہاد کر جو جہادِ کبیر ہے"۔

تبلیغ کی بناء چونکہ قرآن کریم ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے اور سکھانے والے کو اسلامی معاشرہ میں افضل قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا:۔

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ"

(بخاری کتاب فضائل القرآن)

عین خانہ کعبہ میں بیٹھ پر خون اور آلائش سے لت پت اونٹنی کا بچہ دان رکھا۔ حضورؐ کے صحابہ کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ زخموں سے جسم داغدار کیا گیا۔ معصوم خواتین تک اُن کے ظلم سے نہ بچ سکیں۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے معزز و مکرم شہری کو خانہ کعبہ میں مار مار کر بیہوش کر دیا گیا۔ جب مسلمان اُن کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ میں چلے گئے تو دشمن پیچھے آ پہنچا۔ اور جب حضورؐ رؤسائے مکہ کے رویّہ سے دل برداشتہ ہو کر اپنے شفیق چچا اور اپنی مونس و غمگسار رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ کی وفات کے غم سے نڈھال ہونے کے باوجود تبلیغ کا نیا میدان تلاش کرنے کے لیئے طائف کی طرف گئے تو وہاں کے رؤساء نے بھی کمینہ حرکت کی۔ شہر کے اوباش اور آوارہ لڑکوں اور لونڈے غلاموں کو پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے نہ صرف گالیاں دیں بلکہ پتھروں سے لہو لہان کر دیا۔ اِس کے باوجود بھی حضورؐ نے تبلیغ جاری رکھی۔ تین میل کے تعاقب سے تھکے ماندے اور خون میں لت پت ہونے کی حالت میں جب حضور عتبہ کے باغ میں ایک انگور کی بیل کے سایہ کے نیچے سستانے کے لیئے بیٹھے اور عتبہ کا غلام عداس طشت میں انگور لایا تو آپ نے اُسے تبلیغ شروع کر دی۔ یہ اس امر کا شاندار مظاہرہ تھا کہ بڑی سے بڑی مخالفت آپ کو تبلیغ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ آخر اشہرِ حُرم میں حضور کی تبلیغ رنگ لائی۔ حضور کی مشفقانہ دَعْوَةُ اِلَی الْحَقّ کو مدینہ کے حاجیوں میں سے ایک جماعت نے قبول کیا۔ حضورؐ نے مُصعب

محدود نہ تھا بلکہ شیخ عمر کیانی لکھتے ہیں کہ :-

"سید عبد القادر جیلانی ؒ کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔ اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مُشرف نہ ہوتے ہوں۔ فاسدُ العقائد اپنے عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں"۔

(قلائدِ الجواہر)

علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی ؒ ۵۰۸ھ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اِن کا وعظ اِس قدر مقبول تھا کہ بعض اوقات حاضرین مجلس میں ایک ایک لاکھ آدمی شمار کئے گئے۔ دس پندرہ ہزار سے تو کسی طرح بھی کم نہ ہوتے تھے۔ بیس ہزار یہودی اور عیسائی اِن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

فقہاء۔ فقراء اور صوفیاء نے بعض اوقات اپنے نیک اثر سے غفتہ قوم کو بیدار کر دیا۔ چنانچہ سلطان نور الدین کو جب ۵۵۸ھ ہجری الاکراد کے معرکہ میں جو بقیعہ کے معرکہ کے نام سے مشہور ہے، عیسائیوں کے اچانک حملہ کی وجہ سے شکست ہوئی، تو اُس نے دار الحکومت کو واپس جانے سے انکار کر دیا اور قسم کھائی کہ جب تک اسلام کے دشمن سے انتقام نہیں لونگا کسی چھت کے نیچے نہیں سوؤں گا۔ خزانہ پر جنگ کا بوجھ تھا۔ وزراء نے مشورہ دیا کہ وظائف سرِدست بند کر دیئے جائیں۔ لیکن

یُونانی فلسفہ اور منطق کی کتابوں کا کام خلیفہ منصُور کے زمانہ میں تقریباً ۱۳۶ھ ہجری سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اصل فروغ مامُون کے زمانہ میں ہوُا۔ چوتھی صدی ہجری تک یُونان کے علمی ذخیرہ کا بیشتر حصّہ عربی میں منتقل ہو چکا تھا۔ فلاسفۂ یُونان میں سے ارسطو کی کتابوں نے علمی اور درسی کتابوں اور درسوں میں زیادہ قبولیّت حاصل کی۔ ارسطو مادّی فکر و نظر کا پُرجوش حامی اور داعی تھا۔ اور اُس کا فلسفہ ادیانِ سماوی کی رُوح اور مذہبی تصوّرات سے بہت بعید تر تھا۔ پھر اسلام کے اندر بھی فرقہ باطنیہ پیدا ہو چکا تھا۔ شام، فلسطین اور قبرص میں عیسائی اِسلام کے خلاف بڑی تعداد میں لٹریچر شائع کر رہے تھے۔ عیسائی ممالک کا سلسلہ شام سے شروع ہو جاتا تھا۔ صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں شام کا ایک بڑا حصّہ مُسلمانوں کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ نوّے برس بیت المقدس بھی عیسائیوں کے اِقتدار و تولیّت میں رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان فتن کے مقابلہ کے لئے چھٹی صدی کے آخر میں شیخ الاسلام حافظ اِبنِ تیمیہؒ کو جنم دیا۔ آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصانیف کے ذریعہ سے یُونانی فلسفہ کے تار و پود کو بکھیر دیا۔ نیز عیسائیت کے مقابلہ میں عظیم الشان جہاد

ترجیح دی۔ چنانچہ ابُو عُبیدہ کو اُردن کی وادی کے عیسائیوں نے لکھا
"اے مسلمانو! ہم تمہیں اپنے ہم مذہب بازنطینیوں پر ترجیح دیتے ہیں"
(فتوحُ الشام مُصنّفہ محمد بن عبداللہ الازدی صفحہ ۹۷) بلاذری
لکھتا ہے کہ ایمیسا Emesa کے لوگوں نے ہرقل
کی فوج کے خلاف اپنے دروازے بند کر لئے اور مسلمانوں کو
کہا کہ وُہ اُن کی حکومت اور عدل کو یُونانیوں کے جَور و تعدّی پر
ترجیح دیتے ہیں۔ بازنطینی سلطنت کے جو علاقے مسلمانوں کے
قبضہ میں آئے لوگوں نے اُن میں وُہ رواداری پائی جس سے وُہ صدیوں
سے نا آشنا تھے۔

Dhimmis and Muslims in Egypt
by Gottheral. (بحوالہ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۵۱)

مسلمانوں کی کامیابی کی صرف یہی وجہ نہ تھی کہ اُن کی حکومت مسیحی
بادشاہوں سے بہتر تھی بلکہ اسلام کی بڑی کشش اُس کے عقائد میں
تھی۔ یہ دینِ حق قابلِ فہم صداقتوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں تثلیث
یا کفارہ جیسے چیستاں نہیں ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے ایک مؤرخ
مسعُودی نے ایک قبطی عیسائی کی مندرجہ ذیل گفتگو تحریر کی ہے جو
اُس زمانہ کے عیسائیوں کے ایمان و استقلال کی آئینہ دار ہے۔
"میرے نزدیک مسیحیت کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ
گو مجھے اس کی تعلیمات باہم متضاد و متخالف نظر آتی ہیں۔ عقل

سے عجیب طور پر پاک ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۴۰) مسلمانوں کی عیسائی عورتوں سے شادی اور لاطینی زبان کی جگہ عربی کے رواج نے بھی اسلام کو بڑی تقویت بخشی۔ اور ہسپانویوں نے جب عربی سیکھ لی تو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اسکا حُسن و جمال اُنہیں گرویدہ کیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسلام نے سپین کے ذریعہ یورپ میں ایک نئی تہذیب کی رَو پیدا کی۔ اگر اسلام قرونِ وسطیٰ میں سپین نہ پہنچتا تو شاید یورپ بلکہ دُنیا کی تاریخ آج سے بڑی مختلف ہوتی۔

اسلام نے تو مُسلم ہسپانویوں کے دلوں میں اتنا گہرا نقش قائم کر دیا ہوا تھا کہ طویل مظالم، انتہائی شدائد اور بھائی بندو جلاوطنیاں بھی اُس کو مٹا نہ سکیں۔ ہسپانیہ کے اصل باشندے جو مُسلمان ہوئے تھے۔ اُن کو مُورشکو کہا جاتا ہے فرڈی ننڈ اور آئسابیلا نے مُورشکو کیلئے صرف تین راہیں ہی کھُلی رکھی تھیں موت۔ جلاوطنی یا اسلام سے ارتداد۔ بیشمار مارے گئے۔ لا تعداد جلاوطن ہوئے۔ اور اسپین میں صرف وہ مُورشکو رہ گئے جنہوں نے بظاہر اسلام سے ارتداد اختیار کر کے مسیحیت کو قبول کر لیا۔ باوجود اس کے ۱۶۱۰ء میں یعنی مسلمانوں کی آخری لڑائی کے ایک سو آٹھ سال بعد حکومت سپین نے قرار دیا کہ پانچ لاکھ مُورشکو ابھی باقی ہیں۔ اور اُنہیں باوجود بظاہر عیسائی ہونے کے مُلک بدر کر دیا گیا۔ گویا لاکھوں کمزور ہسپانوی مسلمانوں نے عیسائیت کے جامہ میں

اور پھر اسی راستے سے لوٹ کر آتے تھے“۔

ظہورِ اسلام کے بعد یہ جہاز رانی اور تجارت بند نہیں ہوئی بلکہ عرب بدستور آتے رہے۔ وہ اب مسلمان تھے۔ اور پہلے سے بہت بہتر انسان تھے۔ اُنہوں نے جنوبی ہند کے اکثر مقامات پر اپنی نوآبادیاں بنالیں اور اُن کی تبلیغ سے اسلام پھیلتا گیا۔ زین الدین اپنی تصنیف ”تحفۃ المجاہدین“ میں لکھتے ہیں کہ مالابار میں قبولیتِ اسلام کی یہ روایت پائی جاتی ہے کہ سراندیپ (لنکا) میں پرانے زمانے سے ایک نقشِ قدم چلا آتا ہے اور سامی قوموں کا عقیدہ ہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اُتارے گئے تو یہ اُن کے قدموں کا نشان ہے۔ کہتے ہیں عرب سیاحوں کی ایک جماعت اِس کو دیکھنے کیلئے جاتی ہوئی ساحلِ مالابار پر کدنگانور میں ٹھہری۔ شہر کے راجہ زیمورن نے اُن کی خاطر تواضع کی۔ عربوں نے اسلام کا تحفہ پیش کیا۔ راجہ مسلمان ہوگیا اور اُن کی لنکا سے واپسی پر اُن کے ہمراہ حج کو چلا گیا۔ راجہ تو وہیں فوت ہوگیا۔ لیکن اُس نے شریف بن مالک۔ مالک بن دینار۔ اور مالک بن حبیب کو اپنی وصیت کے ساتھ بھجوایا۔ اِن تینوں نے خصوصاً مالک بن حبیب نے خوب تبلیغ کی۔ اور جابجا مساجد بنوائیں۔ اِسی طرح معبر (کارومنڈل) کے علاقہ میں اسلام غالباً

ہیں مُسلمانوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ زیادہ
تعداد میں نواحی اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں
مغرب سے آئے ہوئے آبادکاران کا کوئی نشان نہیں
ملتا۔ اور یہ ایسے علاقے ہیں جہاں اَدنیٰ اقوام کے
ہندوؤں اور اَچھوتوں کی کثرت ہے"۔

(دی پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۷۹)

پس ظاہر ہے کہ اگر مسلمان بزورِ شمشیر اپنی
تعداد بڑھاتے۔ تو قدیم اسلامی مَراکز میں مُسلمانوں کی
تعداد بہت زیادہ ہوتی۔ حالانکہ وہاں اَدنیٰ قوم کے
ہندو اور اچھوت اُنیسویں صدی کے آخر تک کثرت میں
تھے۔ سر ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر Sir W. W. Hunter.
بنگال میں قبولیّتِ اسلام کی تاریخ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"اِن غریب اِنسانوں۔ مچھیروں۔ شکاریوں۔
بحری قزّاقوں اور ادنیٰ اقوام کے کاشتکاروں کے لئے
اِسلام آسمان سے صَداقت کا ایک ظہور تھا۔ یہ حاکم
قوم کا مذہب تھا۔ اِس کے مُبلّغین پُرجوش مُجاہدین
تھے۔ جو توحیدِ الٰہی اور اِنسانی مُساوات کی خُدا کی طرف
سے خوشخبری اُن لوگوں کے پاس لائے جو قابلِ نفرت
اور ناقابلِ اِلتفات تصوّر خیال کئے جاتے تھے۔ اسلام

مُلک میں آکر اِس زمانہ کے بدلے ہُوئے حالات میں اسلام کی
جدید تعبیر پیش کریں۔"

ہندوستانی تاجِروں کے علاوہ اِنڈونیشیا میں اسلام
خود اُن اِنڈونیشین تاجِروں کے ذریعہ بھی پھیلا جو ہندوستان
آئے اور یہاں اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ بارھویں صدی کے
آخر میں ریاست پیاجارن Pajajaran. کے بادشاہ
کے دو بیٹے تھے۔ بڑے نے تخت چھوٹے بھائی کو دے دیا۔
اور خود تجارت کا پیشہ اِختیار کر لیا۔ وُہ جب ہندوستان آیا۔
بعض عَرَب تاجِروں سے اُس کی مُلاقات ہُوئی اور اُن کی تبلیغ سے
اُس نے اِسلام قبول کر لیا۔ واپسی پر اُس نے اپنے مُلک میں
اِسلام کو پھیلانے کی کوشش کی۔ چودھویں صدی عیسوی کے
آخر میں مولانا ملک اِبراہیم کے ذریعہ تبلیغِ اسلام کو بڑی
وُسعت حاصل ہُوئی۔ مولانا سنہ ۱۴۱۹ء میں ایک بڑی مُسلمان
جماعت پیچھے چھوڑ کر وفات پا گئے۔ یہ قطعی معلوم نہیں کہ کہاں
کے تھے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ یہ ہندوستانی تھے اور بعض کے
نزدیک یہ سماٹری تھے۔

مشرقی جاوا میں شیخ نُورُالدّین اِبراہیم کے ذریعہ اِسلام
پھیلا۔ ایک عورت جو برص سے بیمار تھی، اُن کے پاس لائی
گئی۔ آپ کی دُعاء سے اُسے شِفاء حاصِل ہو گئی۔ اِس پر ہزاروں

وَلِید کے عہدِ خِلافت میں گورنرِ خُراسان قُتَیبہ اپنی فوج کے ساتھ یلغار کرتا ہُوا حُدُودِ چین تک جا پہنچا۔ ۷۱۳ء میں اُس نے شاہِ چین کے پاس اپنا سفیر بھجوایا۔ پھر اُموی خلیفہ ہشام نے ۷۲۶ء میں شہنشاہِ چین سوان سُنگ Hsuan Tsung کے پاس اپنا سفیر سُلیمان بھیجا۔

عَربوں اور چینیوں کے درمیان اِن سفارتی تعلّقات نے اُس وقت ایک نئی اہمیّت اختیار کرلی۔ جب شاہِ چین کو اپنے ایک حریف غاصب سے مجبُور ہوکر ۷۵۶ء میں اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہونا پڑا۔ اِس مُصیبت کے وقت اُس نے خلیفہ منصُور سے اِمداد طلب کی۔ منصُور نے درخواست قبول کرتے ہُوئے کچھ عَرب فوج بھجوائی۔ اس کی اِمداد سے شہنشاہ نے باغیوں کے ہاتھ سے اپنا دارالحکومت خالی کرالیا۔ جنگ کے بعد یہ عرب فوج واپس نہ گئی۔ بلکہ وہیں شادیاں کرکے چین میں آباد ہو گئے۔ (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۹۶)

آٹھویں صدی کا چینی مؤرّخ مغرب سے نئے آنے والوں کا ذکر کرتا ہے جو اپنے نئے مذہب کے ساتھ اپنی مذہبی کتابیں بھی ہمراہ لائے۔ انھوں نے چین میں جابجا مَساجد بنوائیں۔ لیکن ان کی تبلیغی کارگذاری کے کوائف تاریخ میں نہیں ملتے۔ شاید انہیں زبان کی دِقّت تھی۔ اور اِس لئے مقامی چینیوں میں تبلیغ

اُن کے نتیجہ میں اُن کے قتلِ عام کے باعث اُن کی تعداد میں لاکھوں کی کمی ہوگئی ہے۔ لیکن باوجود اِس کے اسلام میں کچھ نہ کچھ لوگ آہی رہے ہیں۔ (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۳۱۰ و ۳۱۱) اور اب ۱۹۶۱ء میں تو اسلام کے لئے اِشتراکی چین میں حالات اور بھی دُشوار اور تشویشناک ہیں۔ لیکن چُونکہ اِشتراکیت کے ساتھ آہنی پردہ بھی آجاتا ہے۔ اِس لئے حالات کا تفصیلی عِلم نہیں ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داریاں

مَیں نے گذشتہ چودہ صفحات میں اِسلامی تبلیغی مَساعی کا مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ اِسلام کِس طرح نائیجیریا سے چین تک پھیل گیا۔ یہ داعیانِ اِسلام ہر طبقہ میں سے تھے۔ بادشاہ بھی تھے اور فقیر بھی خانقاہوں میں مُقیم صُوفیاء بھی تھے اور مُلک مُلک گھومنے والے تاجر بھی باجبرُوت آقا تھے اور بے نوَا غلام بھی تھے۔ قارُون کے خزانے لُٹانے والے اَمیر تھے اور فاقہ مَست غریب بھی تھے۔

جونہی اشتراکیت کا زور ٹوٹا ان ممالک کے لوگوں کی دینِ حق کے لئے طبعی پیاس ظاہر ہوگی۔ اور اگر اُس وقت ہم اسلام مؤثر اور صحیح طور پر پیش کر سکے تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو زارِ رُوس کا عصاء دینے والی پیشگوئی اِن شاءَ اللہ ہمارے ہاتھوں ہی پوری ہوگی۔ اگر ایٹمی تباہی نے مسیحی ممالک کی مادّی قوّت کو توڑ نہ دیا۔ تو پھر مسیحیت اسلام کے مقابل پر آئے گی۔ اور اس کے علاوہ بُدھ مت سے بھی مقابلہ ہوگا۔ کہ یہی دو عالمی تبلیغی مذہب ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں ایسا علمِ کلام بخشا ہے کہ اگر ہم اُس کا فہم قائم رکھیں، اور اس طرح صحیح طور پر قرآنِ کریم کے ساتھ جہادِ کبیر کریں، تو جیسے ماضی میں ہمارے آباء کو کامیابی حاصل ہوئی، اب بھی اِن شاءَ اللہ حسبِ الہامِ الٰہی "ہماری فتح"، "ہمارا غلبہ" ہوگا۔ مگر ضرورت اس کی ہے کہ ہم پاک ہوں۔ ہمارے اخلاق بلند ہوں۔ ہمارے اندر تاریکی نہ رہے۔ ہم اپنے قول سے ہی نہیں بلکہ خاموش عمل سے بھی اسلام اور احمدیت کی طرف کشش کا موجب ہوں۔ ہم میں فریضۂ تبلیغ کی اہمیت کا حقیقی احساس ہو۔ اور ہم اِس کام میں دیوانہ وار

باتوں کو جانے دیجئے۔ خود ہمارا پاکستان وہ ملک ہے کہ دُنیا کے کسی اور ملک میں اتنی زیادہ تعداد میں مسلمان آباد نہیں ہیں۔ حالیہ مردم شماری کے مطابق اس میں مسلمانوں کی تعداد سوا آٹھ کروڑ ہے۔ عیسائیت کی پُشتِ پناہ انگریزی حکومت جا چکی ہے۔ لیکن باوجود اس کے عیسائیت ترقی پر ہے۔ گذشتہ دس برس میں بحیثیتِ مجموعی پاکستان کے عیسائیوں کی تعداد میں ۳۵،۷ فیصد اضافہ ہوا ہے، حالانکہ ملک کی مجموعی آبادی میں یہ اضافہ ۲۳،۸ فیصد ہوا ہے۔ بعض مسلمان اپنے آپ کو اِس خیال سے تسلّی دے لیتے ہیں کہ اچھوت عیسائی ہوتے ہوں گے۔ مگر وہ راولپنڈی جیسے خالص مسلمان ضلع کے متعلق کیا کہیں گے جس کی عیسائی آبادی میں ۲۰۳،۶ فیصد اضافہ ہوا ہے؟ یعنی ضلع راولپنڈی کے عیسائیوں کی تعداد دس سال میں تقریباً چار گنا ہو گئی ہے۔ ہمیں عیسائیوں سے کوئی شکوہ نہیں۔ اسلام کامل مذہبی آزادی کا حامی ہے۔ اُن کا حق ہے کہ اپنے دین کی تبلیغ کریں۔ ہمیں تو اپنوں کے تغافل پر افسوس ہے۔